بسم اللہ الرحمن الرحیم

رابطہ علماء اہل سنت والجماعت (الہند)

کے زیر اہتمام

آسان نصاب

(حصہ نمبر۱)

اہل سنت والجماعت کے

چند اجماعی مسائل کے

شرعی دلائل

سروے نمبر۱۵۶، مولوی محمد عثمان پورہ، گلی نمبر۶، مالیگاؤں، پن کوڈ:۴۲۳۲۰۳
ضلع ناسک، مہاراشٹر، الہند۔

Sr.No.156,M.Mohd.Usman Pura,
Lane No.6.Malegaon423203.Dist Nashik.
Maharashtra.INDIA
Mob:09423477065

تفصیلاتِ طباعت

نامِ کتاب : اہلِ سنت والجماعت کے چند اصول، عقائد واجماعی مسائل کے شرعی دلائل
یعنی
آسان نصاب (حصہ اوّل)

تالیف : مولانا ہلال احمد مولانا محمد عثمان

صفحات : ۱۵۴

طابع وناشر : مفتی عبداللہ ہلال احمد قاسمی مظاہری

اشاعتِ اول: ۱۴۳۳ھ، مطابق ۲۰۱۲ء

طباعت : جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ مطابق اپریل ۲۰۱۲ء

قیمت :

رابطہ کیلئے

مولانا ہلال احمد مولانا محمد عثمان

مدیر، رابطہ علماءِ اہل سنت والجماعت

سروے نمبر ۱۵۶، مولوی محمد عثمان پورہ،

مالیگاؤں۔423203 ضلع ناسک، مہاراشٹر، الہند

موبائل نمبر: 09423477065

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	لمحۂ فکریہ	۴
۲	شرعی دلائل	۱۴
۳	تقلید	۱۶
۴	وسیلہ	۳۳
۵	ایصال ثواب	۴۹
۶	نماز تراویح	۵۹
۷	اسلام میں عورتوں کی نماز	۷۳
۸	جمعہ کی دونوں اذانیں مسنون ہیں	۸۳
۹	عیدین کو جمعہ کی نماز کے مسئلے میں	۸۶
۱۰	قضاء نمازوں کا بیان	۹۰
۱۱	ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم	۹۸
۱۲	قبر اطہر میں نبی کریمؐ کی حیات	۱۱۲
۱۳	روضۂ اطہر کی زیارت	۱۱۶
۱۴	اللہ تعالیٰ حاظر و ناظر ہے	۱۱۶
۱۵	جھاڑ پھونک کی شرعی حیثیت	۱۲۴
۱۶	خوابوں کی شرعی حیثیت	۱۳۰
۱۷	قصوں کی شرعی حیثیت	۱۳۳
۱۸	تصوف کی شرعی حیثیت	۱۳۶
۱۹	غیر مقلدین کے چند مسائل	۱۳۸
۲۰	غیر مقلدین سے سوالات	۱۴۰

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

لمحۂ فکریہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ، اَمَّا بَعْدُ:

مغلیہ سلطنت کے آخری دور کے جو حالات ہندوستان کے مسلمانوں پر تھے، تقریباً انہیں حالات سے آج برصغیر کے مسلمان دوچار ہیں۔ مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں منصوبہ بندی کے ساتھ شیعہ فرقہ کی عوام بلکہ علماء تک اہل سنت والجماعت کے معاشرے میں خلط ملط تھے۔ شیعہ عورتیں، مغلیہ خاندان، حکام اور امراء کے خاندانوں میں بیاہی ہوئی تھیں، اور خود اہل سنت والجماعت کی عورتیں شیعوں کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں۔ اہل سنت والجماعت اور شیعوں کے درمیان امتیاز باقی نہیں تھا۔ شیعہ فرقہ مسلمانوں پر سیاسی اور سماجی دباؤ بنائے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی شیعوں کے اثرات برصغیر کے مسلمانوں پر باقی ہیں۔ لیکن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ، شاہ عبدالعزیزؒ اور ہندوستان کے دوررس نگاہیں رکھنے والے علماء کرام بڑی جدوجہد اور عظیم قربانیوں کے بعد اہل سنت والجماعت اور شیعوں کے درمیان حد فاصل قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اور اہلسنت والجماعت کی مساجد، مدارس، خانقاہوں کو شیعوں کے تسلط سے آزاد کیا اور اسلامی تشخص کو برقرار رکھا۔ برصغیر کے مسلمان، جمیع اہل سنت والجماعت (احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ) آج بالکل اسی دور سے گذر رہے ہیں جیسا مغلیہ سلطنت کا آخری دور تھا۔ غیر مقلدین (اہل حدیث، سلفی، محمدی، غرباء، ثنائیہ، سامرودی، اثریہ، اہل قرآن، جماعت المسلمین، نیچریہ وغیرہ) اہل سنت والجماعت کے جزئی عقائد و مسائل کے ساتھ ساتھ بنیادی عقائد و مسائل کے بھی منکر ہیں۔ بلکہ انہیں جزئی اور بنیادی اصول و عقائد و مسائل کی بنیاد پر جمیع اہل سنت والجماعت کو مشرک اور کافر گردانتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت وفرقۂ ناجیہ اور فرقۂ اہل حق وہ ہے جو پیغمبر اسلام خاتم الانبیاء رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب خصوصاً خلفائے راشدین کے طریقے اور سنت کا مطیع وتبع ہو، جیسا کہ ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''میری اُمت تہتّر (۷۳) فرقوں میں منقسم ہو جائے گی اور بجز ایک فرقہ کے سب فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ ایک فرقہ کون ہے؟ ارشاد فرمایا: کہ جس طریقے پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں (ترمذی ج ۲، ص ۸۹)۔

''خوارج'' ایک ایسا فرقہ ہے جس کا وجود خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں ہی ہو چکا تھا اور اس فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔ اور بھی کچھ اس قسم کے مواقف خوارج رکھتے تھے جو اہلِ سنت والجماعت کے موقف کے خلاف تھے۔ اس فرقے کی شدت اتنی بڑھی کہ خلیفہء راشد حضرت علیؓ اور صحابہ کرام کے ساتھ ان خوارج کی جنگ ہوئی۔ اور اس جنگ کی پیشین گوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی۔ اور یہ جنگ اہل سنت والجماعت کے موقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ اسی طرح واصل بن عطاء معتزلہ کے گروہ کا سردار تھا۔ اہلِ سنت والجماعت کے بر خلاف، معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن ہے نہ کافر۔ یعنی وہ ایمان وکفر کے درمیان واسطہ سمجھتے تھے۔ وہ کہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ اطاعت گذار کو ثواب دے اور گناہ گار کو عذاب دے (نعوذُ باللہ من ذالک)۔ جبکہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ اطاعت گذار کو جہنم میں ڈال دے تو یہ اس کا عدل ہے اور اگر جنت میں ڈال دے تو یہ اس کا فضل ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں کسی نے سوال کیا تو واصل بن عطاء نے اسی قسم کی گمراہی کا جواب دیا تو حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ''اعتزل عنا'' یعنی اہل سنت والجماعت کے راستے سے ہٹ گیا۔ تبھی سے معتزلہ نام وجود میں آیا۔ غرض صحابۂ کرام اور تابعین عظام اہلِ سنت والجماعت کے عقائد واصول کے تحفظ کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ نیز دنیا کے مشہور بزرگ عالم سیدنا حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ

الطالبین ص ۱۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں ''مؤمن بندہ پر لازم ہے کہ اہل سنت والجماعت کی اتباع کرے، سنت وہ طریقہ ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے اور جماعت یہ ہے کہ جس پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے زمانہ خلافت میں اتفاق کیا اور یہ اصحاب سیدھی راہ بتانے والے تھے اور اُن کو بھی سیدھی راہ بتلائی گئی اُن سب پر خدا کی رحمت ہو۔'' صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین نے خیر القرون میں اسلامی اُصول، عقائد اور مسائل کا تحفظ کیا اور اُمت تک اُن کو پہنچایا اور جس شخص یا فرقہ نے اہل سنت والجماعت کے خلاف موقف اختیار کیا اُس کی سختی سے مخالفت کی، اور اُسے اہل سنت والجماعت سے خارج قرار دیا۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اجتہادی مسائل کے اختلاف سے مسلک بنتا ہے اور اصول وعقائد کے اختلاف کی بنیاد پر فرقہ بنتا ہے۔ چونکہ مسالک اربعہ (احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ) کے بنیادی اُصول وعقائد میں اتفاق ہے اسلئے مسالک اربعہ ایک ہی جماعت یا فرقہ ہے، جو انشاءاللہ ناجی (نجات پانے والا) ہے۔ اور جو فرقہ اہلِ سنت والجماعت کے اصول، عقائد اور اجماعی مسائل کی نفی کرے اس سے اختلاف محمود ہے اور اس کی تردید لازمی ہے۔ اور یہی اسلاف کا طریقہ ہے۔

کیا غیر مقلدین اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں؟

غیر مقلدین کے اہلِ سنت والجماعت ہونے پر سوالیہ نشان ہے کیونکہ غیر مقلدین اصول وعقائد و اجماعی مسائل میں اہلِ سنت والجماعت سے اختلاف رکھتے ہیں اور ان کا انکار کرتے ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

نمبر شمار	عناوین	اہل سنت والجماعت (احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ) کا موقف	غیر مقلدین کا موقف
	اصول		
۱	شرعی دلائل	کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع، قیاس مجتہد	قرآن، حدیث
۲	خلفائے راشدین کی سنت	سنتِ خلفائے راشدین سنت ہے	سنت نہیں بدعت ہے
۳	اقوال وافعالِ سلف کی حجیت	اقوال وافعالِ سلف حجت ہیں	اقوال وافعالِ صحابہ بھی حجت نہیں
۴	مسالکِ اربعہ کی تقلید	چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے	تقلید شرک وحرام
	عقائد		
۵	اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جاننا	اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے	اللہ تعالیٰ حاضر وناظر نہیں ہے
۶	روضۂ اطہر کی زیارت	روضۂ اطہر کی زیارت مستحب ہے	روضۂ اطہر کی زیارت بدعت ہے

۷	قبر اطہر میں نبی کریم ﷺ کی حیات	وفات کے بعد قبر اطہر میں نبی کریم ﷺ کو حیات حاصل ہے	قبر اطہر میں نبی کریم ﷺ کو حیات حاصل نہیں
۸	اولیاء اللہ کی کرامات	اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں	کرامات ممکن ہی نہیں
	اجماعی مسائل		
۹	وسیلہ	جائز ہے	شرک ہے
۱۰	ایصال ثواب	جائز ہے	حرام وبدعت ہے
۱۱	نماز تراویح	بیس رکعات ہے	کچھ تراویح کے منکر ہیں اور کچھ آٹھ رکعات مانتے ہیں
۱۲	عورتوں مردوں کی نماز	عورتوں اور مردوں کی نماز میں فرق ہے	عورتوں اور مردوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں
۱۳	نماز کیلئے عورتوں کا مسجد جانا	نماز کیلئے عورتوں کا مسجد جانا مکروہِ تحریمی ہے	نماز کیلئے عورتوں کا مسجد جانا ضروری ہے
۱۴	عورتوں کی عیدین اور جمعہ کی نماز میں حاضری	عورتوں کی عیدین اور جمعہ کی نماز میں حاضری مکروہِ تحریمی ہے	عورتوں کی عیدین اور جمعہ کی نماز میں حاضری ضروری ہے
۱۵	تعددِ ازدواج	نکاح میں بیویوں کی تعداد صرف چار تک	بیک وقت دس بیویاں رکھ سکتے ہیں
۱۶	سوتیلی خالہ (باپ ایک ماں الگ) کیساتھ نکاح کی حرمت	سوتیلی خالہ کے ساتھ نکاح حرام ہے	سوتیلی خالہ سے اسکے بھانجے کا نکاح درست ہے

۱۷	دادی کے ساتھ نکاح کی حرمت	دادی کے ساتھ پوتے کا نکاح حرام ہے	دادی کے ساتھ پوتے کا نکاح جائز ہے
۱۸	احرام کی حالت میں	احرام کی حالت میں بیوی سے ہمبستری پر حج فاسد ہوجاتا ہے	احرام کی حالت میں بیوی سے ہمبستری پر حج فاسد نہیں ہوتا
۱۹	نماز میں شرم گاہ کا ڈھکنا	نماز میں شرم گاہ کا ڈھکنا شرط ہے	عورت اگر ننگی نماز پڑھے تو نماز درست ہے
۲۰	نماز کے لئے جگہ کی پاکی	نماز کے لئے جگہ کی پاکی شرط ہے	نماز کے لئے جگہ کی پاکی شرط نہیں ہے
۲۱	نمازی کے کپڑوں کی پاکی	نمازی کے کپڑوں کی پاکی شرط ہے	نمازی کے کپڑوں کی پاکی شرط نہیں ہے
۲۲	قرآن چھونا	بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں	بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ لگانا جائز ہے
۲۳	حائضہ اور جنبی کیلئے قرآن کریم کی تلاوت	حائضہ اور جنبی کیلئے قرآن کریم کی تلاوت کی ممانعت ہے	حائضہ اور جنبی قرآن کریم کی تلاوت کر سکتے ہیں
۲۴	سجدۂ تلاوت	بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت کرنا جائز نہیں	بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت جائز ہے
۲۵	نمازِ قصر کیلئے مسافت کی حد	نمازِ قصر کیلئے مسافت کی تحدید ہے	نمازِ قصر کیلئے مسافت کی حد نہیں ہے

۲۶	چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا	چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا ضروری ہے	چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا بدعت ہے
۲۷	جمعہ کی دو اذانیں	جمعہ کی دونوں اذانیں مسنون ہیں	جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے
۲۸	عیدین کو جمعہ کی نماز کا مسئلہ	اگر جمعہ اور عید ایک دن ہو تو دونوں کی ادائیگی ضروری ہے	اگر جمعہ اور عید ایک دن ہو تو جمعہ ساقط ہے
۲۹	ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم	ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہوتی ہیں	ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے
۳۰	جھاڑ پھونک کی شرعی حیثیت	غیر شرکیہ جھاڑ پھونک جائز ہے	جھاڑ پھونک شرک ہے
۳۱	خوابوں کی شرعی حیثیت	اچھے خواب مبشرات (خوشخبری) ہیں	خوابوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے
۳۲	قصوں کی شرعی حیثیت	قصے اور واقعات عبرت کا باعث ہیں	کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ ان سے کفر وشرک عائد ہوتے ہیں
۳۳	تصوف کی شرعی حیثیت	تصوف جائز ہے	تصوف شرک وبدعت ہے

غیر مقلدین اور اہل سنت والجماعت کے اصول، عقائد اور اجماعی مسائل میں جو اختلافات ہیں ان میں سے چند درج بالا جدول میں پیش کئے گئے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی کثیر مسائل ہیں جن میں غیر مقلدین کا موقف اہل سنت والجماعت سے مختلف ہے۔ ان تمام اختلافات کے باوجود اہل سنت والجماعت کی مساجد، مدارس، قبرستانوں اور دیگر مذہبی اداروں کی انتظامیہ میں غیر مقلدین

موجود ہیں اور اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔لیکن ہماری عوام تو کیا خواص کے منہ سے حرفِ غلط کی طرح بھی نہیں نکلتا کہ یہ غلط ہے۔غیر مقلدین کی مجالس اور اسٹیج کو اہل سنت والجماعت کے علماء بلاتکلف رونق بخشتے ہیں اور ان کی تائید کرتے ہیں۔آج اہل سنت والجماعت کی عوام بلا جھجک غیر مقلدین کے فتاوے پیش کر کے مطلقہ کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں،اور ان کی روک تھام کی کوئی کوشش موجود نہیں ہے۔ایک مجلس کی تین طلاقیں تین نہ ہونے کا فتویٰ شیعہ علماء بھی دیتے ہیں،لیکن کوئی شخص ان کا فتویٰ لاکر بطور ثبوت نہیں پیش کرتا، بلکہ غیر مقلدین علماء کا فتویٰ پیش کرتا ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اہل سنت والجماعت اور غیر مقلدین کے درمیان کوئی حد فاصل موجود نہیں ہے۔اور اس کی وجہ ہمارے علماء وخواص کی غفلت یا بے حسی ہے کہ اتنے کثیر بنیادی اصولی اختلافات ہوتے ہوئے بھی ''غیر مقلدین'' سے اختلاط روا رکھے ہوئے ہیں۔ویسے اہل سنت والجماعت کے دوررس نگاہ رکھنے والے علماء نے اس پر بندش کیلئے اپنے فتاوے میں اس کے مسائل بیان کئے ہیں۔مثال کے طور پر فتاوی رحیمیہ اور فتاوی دارالعلوم کے فتوے ملاحظہ ہوں۔

منکرین حدیث اسلام سے خارج ہیں۔ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا،ان سے شادی بیاہ وغیرہ کسی قسم کے تعلقات رکھنا درست نہیں ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ ج۴،ص۲۰۱)

غیر مقلدین سے رشتے ناطے کرنا کیسا ہے؟اس کے جواب میں ہے کہ اگر نکاح کیا جاوے گا نکاح منعقد ہوجاوے گا۔لیکن ایسے فرقوں اور ایسے متعصب لوگوں سے رسول اللہ ﷺ نے مناکحت ومواکلت،مشاورت کو منع فرمایا ہے۔اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان لوگوں سے اس قسم کے تعلقات بیاہ شادی کے قائم نہ کئے جائیں گے۔(فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ج۷ص۱۷۵)

عوام میں جو امور مشہور ومسلّم ہیں،مکر کے ذریعے انہیں استعمال کرتے ہوئے،غیر مقلدین اپنی ٹیکنک اور ابلہ فریبی کے ذریعہ عوام کی 'برین واشنگ' کرتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کے اجماعی اصول،عقائد ومسائل کے خلاف ذہن بناتے ہیں۔یقیناً یہ فتنہ ہے اور غیر مقلدین کا یہ فتنہ تقریباً پوری دنیا میں وبا کی شکل اختیار کر گیا ہے۔اس کا مقابلہ بڑے پیمانے پر کرنے کی

ضرورت ہے۔اپنے اسلامی اور ملی سرمایہ کے تحفظ کے لئے جمیع اہل سنت والجماعت پر لازم ہے کہ ضروری اقدامات کریں اور دین کے نام پر بے دینی کی ہواؤں کی روک تھام کی کوشش کریں نیز اپنے اور غیر مقلدین کے درمیان حد فاصل قائم کرنے کے عملی اقدامات پر توجہ دیں۔

فتنوں کا مقابلہ کرنے والوں کا مقام:۔ دلائل النبوہ بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ صفحہ نمبر۵۸۴ پر روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس امت کے آخر میں کچھ لوگ ہوں گے جن کو اجر امت کے پہلوں جیسا دیا جائے گا،یہ لوگ معروف کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور اہل فتنہ سے لڑیں گے''۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی مذکورہ حدیث کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کا نظامِ قدرت وحکمت بھی عجیب ہے،بعض بزم جہاں میں دیر سے آتے ہیں مگر ان کو نشست صدیقینِ اولین کے پہلو میں دی جاتی ہے۔یعنی المعروف کا حکم کرنا المنکر سے روکتے رہنا اور فتنہ پروروں سے برسرکار رہنا یہ تین وصف ایسے ہیں جو پچھلوں کو پہلوں سے ملا دیتے ہیں۔فرماتے ہیں،بلاشبہ علم وفضل عبادت تقویٰ،زہد وتقدس یہ ایمانی اوصاف بھی نہایت گراں ہیں،مگر ان اوصاف سے آدمی مقبولیت عنداللہ میں اپنے ہم عصروں سے آگے نکل سکتا ہے تاہم اس کا شمار اسی زمانے میں ہوگا جس میں وہ پیدا ہوا اور اسکے اجر وثواب کا پیمانہ بھی اسی دور کے لحاظ سے متعین ہوگا،لیکن جو چیز قرون متاخرہ (آخر زمانے) کے افراد کو قرون اولیٰ (پہلے زمانے) کی شخصیت بنا دیتی ہے وہ صرف امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اہل فتنہ سے برسرپیکار رہنا ہے۔

رابطہ علمائے اہلسنت والجماعت (الہند) کے زیر اہتمام ''آسان نصاب حصہ اوّل'' میں وہ اصول،عقائد وبنیادی مسائل تحریر کئے گئے ہیں جن پر جمیع اہل سنت والجماعت (احناف،مالکیہ، شوافع،حنابلہ) کا اجماع ہے۔لیکن غیر مقلدین (اہل حدیث،غرباء اہلحدیث،سلفی،محمدی،ثنائی ،سامرودی،اثری، جماعت المسلمین، اہل قرآن، نیچریہ وغیرہ) اِن کے مخالف ہیں۔اِن اُصولوں،عقائد وبنیادی مسائل میں اختلاف ہوتے ہوئے بھی غیر مقلدین کس طرح اہل سنت

والجماعت میں شمار کئے جاسکتے ہیں؟ مذکورہ کچھ اصول، عقائد واجماعی مسائل تفصیل کے ساتھ اِس حصہ میں پیش کئے جارہے ہیں۔ جن میں غیر مقلدین ''اجماع'' کے خلاف ہیں۔ مدارس، عصری علوم کے اداروں اور عوام میں اس نصاب کی تعلیم دی جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے معاشرہ غیر مقلدیت کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہے گا اور غیر مقلدیت کے ردّ کے لئے افراد بھی مہیا ہوجائیں گے اور اس وبا سے خلاصی بھی ممکن ہوگی۔ اللہ رب العزت اِس نصاب کو قبولیت بخشے اور اس کے ذمہ داروں کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

ہلال احمد مولوی محمد عثمان

رابطہ علماء اہل سنت والجماعت (الہند)

شرعی دلائل

اہل سنت والجماعت:- جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک اسلام میں مسائل کے استنباط کے لئے شرعی دلائل چار ہیں۔(۱) کتاب اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع (۴) قیاس مجتہد۔

غیر مقلدین:- اس کے برخلاف غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ اُن کے نزدیک شرعی دلائل صرف دو ہیں (۱) قرآن کریم (۲) حدیث۔

جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک اجماع شرعی دلیل ہے، جبکہ غیر مقلدین اجماع کو شرعی دلیل نہیں مانتے۔ اُن کے نزدیک ''اجماع کوئی چیز نہیں ہے۔'' چنانچہ غیر مقلدین تحریر کرتے ہیں کہ ''ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اجماع کی اس ہیبت کو دلوں سے نکال دیں جو دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے''۔ ''حق بات یہ ہے کہ اجماع ممنوع ہے۔'' (عرف الجادی ص ۳)۔ غیر مقلدین کے نزدیک دنیا کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر اجماع ہوا ہو، بلکہ اُن کے نزدیک اجماع ممکن ہی نہیں ہے۔ اور اس سلسلے میں وہ مقلدین کے ایسے اُصول پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہو کہ اجماع ممکن نہیں ہے۔ بعض مرتبہ وہ اجماع کے خلاف قرآن کریم کی آیت پیش کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ اجماع قرآن کریم کے خلاف ہے اس لئے باطل ہے۔ بعض مرتبہ وہ اجماع کے خلاف احادیث پیش کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ جب احادیث اس کے خلاف ہیں تو اجماع کیسے ممکن ہے؟ اُن کا یہ نظریہ خلفائے راشدین، صحابہ اور محدثین کے سراسر خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو!

جب کسی امر پر اجماع ہوجائے تو اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، بلکہ اگر اس کے خلاف کوئی حدیث بھی سمجھ میں آتی ہو تو اجماع کی مخالفت میں اسے بیان کرنا بھی مناسب نہیں ہے، چہ جائیکہ اس پر عمل کرنا۔ حدیث کی کتابوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ صحیح مسلم سے صرف ایک مثال ملاحظہ ہو۔ مشہور محدث امام شعبیؒ نے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث بیان کی کہ جب ان کے شوہر نے انہیں تین طلاق دے دی تو ''ان رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یجعل لھا سکنیٰ و لا نفقۃ ۔ ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے سکنیٰ اور نفقہ

قرار نہیں دیا'' تو مشہور تابعی حضرت اسودؒ نے ایک مٹھی کنکری لی اور اس سے انہیں مارا اور کہا کہ خرابی ہو تیرے لئے تو اس قسم کی حدیث بیان کرتا ہے۔ (جبکہ اس کے متعلق) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ہم کتاب اللہ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے ایک عورت کے قول کی وجہ سے (صحیح مسلم ج ا ص ۴۸۵) (جب کہ وہ صحیح حدیث تھی)۔ اسی حدیث کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ ''کہ فاطمہ بنت قیسؓ کے لئے خیر نہیں ہے کہ یہ حدیث بیان کرے'' (صحیح مسلم ج ا ص ۴۸۵)۔ اور صحیح مسلم کا یہ جملہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے خلاف اجماعِ امت تھا وہ جملہ یہ ہے' **فقال مروان لم نسمع هذا الحديث الا من امران سنا خذ بالعصمة التي وجدنا الناس عليها** ''ترجمہ: (اس حدیث کو سن کر مروان نے کہا) ''نہیں سنتے ہیں ہم اس حدیث کو مگر ایک عورت سے، (بلکہ) ہم اس فیصلے کو مضبوطی سے پکڑیں گے جس پر ہم نے لوگوں کو پایا'' (صحیح مسلم ج ا ص ۴۸۴)۔

اصل بات یہ ہے کہ روافض کی طرح غیر مقلدین کو ''اجماع'' کا انکار کرنا ہے لیکن اگر وہ صراحتاً انکار کریں تو رفض کا الزام اُن پر عائد ہو جائے گا اس لئے بعض غیر مقلدین صراحتاً انکار نہیں کرتے بلکہ ایسے اصول وضوابط پیش کرتے ہیں کہ یہ سمجھ میں آئے کہ اجماع ممکن ہی نہیں ہے۔ دراصل غیر مقلدین کا اجماع حقیقی نہیں ہے بلکہ تصوراتی ہے۔ اسی طرح غیر مقلدین ''قیاس'' کا بھی انکار کرتے ہیں جو کہ جمیع اہل سنت والجماعت کے بالکل خلاف ہے۔ جمیع اہل سنت والجماعت کے نزدیک مجتہد کا اجتہاد (قیاس، رائے) حجت ہے۔ قیاس کے باطل ثابت کرنے کی کوشش میں غیر مقلدین عجیب عجیب اصول پیش کرتے ہیں، جبکہ دین کے اکثر مسئلوں میں وہ لوگ خود قیاس کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے قیاس کو ''قرآن اور حدیث'' کا نام دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قیاس شرک ہے۔

دراصل اگر غیر مقلدین، اجماع اور قیاس کو شرعی دلائل شمار کریں تو وہ غیر مقلد رہ سکتے ہی نہیں، کیونکہ اجماع اور قیاس غیر نبی کا ہی ہوتا ہے۔ لیکن حقیقتاً غیر مقلدین بھی تقلید کرتے ہیں، اور تقلید کو شرک بھی کہتے ہیں یعنی خود اپنے اُصول سے غیر مقلدین مشرک ہیں۔

تقلید

اہل سنت والجماعت:- جمیع اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ تقلید شرعی واجب ہے۔

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ تقلید شرک وحرام ہے۔

تقلید کی تعریف:- تقلید غیر کی اتباع کرنا اُس کے برحق ہونے کے گمان پر بلا کسی دلیل کے مطالبہ کے۔ (نامی شرح حسامی) یا

تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دے گا اور اُس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔

تقلید کا مدار حسن ظن پر ہے۔ جس شخص کے متعلق یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں کوئی بات بے دلیلِ شرعی کے نہیں کہتا اُس کا اتباع کر لیا جاتا ہے۔ اگرچہ کہ وہ کوئی دلیل بھی مسئلہ کی بیان نہ کرے اُسی کا نام تقلید ہے۔ اور جس شخص کے متعلق یہ اعتقاد نہیں ہوتا وہ دلیل بھی بیان کرے تو بھی شبہ رہتا ہے۔

تقلید کی حقیقت:- تقلید کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ امام کے قول کو حدیث وقرآن سے زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ہم کو اتنا علم نہیں جتنا کہ اُن فقہا کو تھا جنہوں نے نصوص سے فقہ کو مرتب کیا۔ جس فہم اور احتیاط کے ساتھ وہ مسائل کا استخراج کر سکتے تھے ہم نہیں کر سکتے۔

ائمہ کی تقلید کے معنیٰ:- تفسیر یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی احادیث وارشادات پر عمل کرتے ہیں اس تفسیر پر جو ائمہ نے بیان کی ہے کیوں کہ وہ ہمارے نزدیک درایت وفقہ کے اعلیٰ مقام پر ہیں۔ اتباع قرآن وحدیث مقصود بالذات ہوگا اور ائمہ محض واسطہ فی التفہیم (سمجھنے میں واسطہ) ہوں گے۔ جو شخص بلا واسطہ عمل بالحدیث کا دعویٰ کرتا ہے وہ حدیث کا اتباع اپنی فہم (سمجھ) کے ذریعے کرتا ہے۔ اور یقیناً سلف صالحین کی فہم وعقل وورع وتقویٰ ودیانت وامانت وخشیت واحتیاط ہمارے اور آپ سے زیادہ تھی تو بتلائیے عمل بالحدیث کس کا کامل ہوا؟ اُن (غیر مقلدین) کا جو اپنی فہم کے ذریعے سے حدیث پر عمل کرتے ہیں یا مقلد کا جو سلف کے ذریعے حدیث پر عمل کرتا ہے۔

یہ دین کا کچا محل نہیں ،اہل اجتہاد نے من گھڑت باتوں پر بنیاد نہیں رکھی ہے۔اُن کے یہاں خود رائی کا کام ہی نہیں۔مجتہدین جیسے دوسروں کو پابند بناتے ہیں خود بھی پابند ہیں کوئی بات بلا دلیل شرعی کے نہیں کہتے۔تو اُن کی تقلید،تقلید شرعی ہوئی۔اُس کا نام چاہے کچھ رکھ لو۔

تقلید کا مقصد:- تقلید سے یہی مقصود ہے کہ قرآن وحدیث پر سہولت وسلامتی سے عمل ہو۔

تقلید کے دلائل

تقلید کا ثبوت قرآن کریم سے

☆**یاایھا الذین اٰمنو اطیعوااللّٰہ واطیعو الرسول واولی الامرمنکم** ۔ترجمہ:-اے ایمان والو! اطاعت کرواللہ کی اوراطاعت کرورسول کی اورتم میں سے جواولوالامر ہیں اُن کی (سورۂ نساء آیت نمبر ۵۹)

اولوالامر میں عموماً ائمہ مجتہدین داخل ہیں اورخصوصاً ائمہ اربعہ۔

☆**وَاِذَا جَاءَ هُمْ اَمْرٌ مِنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْابِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُوْلِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ** ۔ ترجمہ: جب اُن کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے تو اسے مشہور کردیتے ہیں،اگر حضور اکرم ﷺ اور اپنے میں سے اولوالامر کے پاس لے جاتے ہیں تو ان میں جو مجتہدین ہیں اسے اچھی طرح جان لیتے (سورۂ النساء آیت نمبر:۸۳)

اس آیت سے صراحتاً ائمہ مجتہدین کی اتباع کا ثبوت ملتا ہے۔اس آیت سے اصولی ہدایت مل رہی ہے کہ جولوگ تحقیق ونظر کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کو اہل اجتہاد کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔اوروہ لوگ جوراہ عمل متعین کریں اس پر عمل کرنا چاہئے۔اسی کا نام تقلید ہے۔

☆**وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ** ترجمہ:اُس شخص کے راستے کی پیروی کروجومیری طرف رجوع کئے ہوئے ہے۔(سورۂ لقمان آیت نمبر ۱۵)

☆**فاسئلو ااھل الذکر ان کنتم لاتعلمون** ترجمہ:اگرتمہیں علم نہ ہوتو اہل ذکر سے پوچھ لو۔ (سورۂ النحل آیت نمبر:۴۳،سورۂ انبیاء آیت نمبر:۷)

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ میں اہل ذکر سے مراد اہل علم ہیں۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جس چیز کا علم خود کو نہ ہو اُس میں علماء سے رجوع کرنا واجب ہے (روح المعانی ۱۴:۱۴۸)

☆**فلولانفرمن کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذرواقومھم اذارجعوا الیھم لعلھم یحذرون**۔ ترجمہ: کیوں نہ نکلے ہر فرقہ میں سے ایک جماعت تاکہ تفقہ فی الدین حاصل کرے اور جب واپس آئے تو اپنی قوم کو ہوشیار اور بیدار کرے تاکہ وہ دین کی باتوں کو سن کر اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔(سورۂ توبہ آیت نمبر۱۲۲)

اس آیت کریمہ میں اس بات کی تاکید ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہئے جو تفقہ (دین کی سمجھ) حاصل کرنے میں مشغول رہے،تاکہ یہ جماعت اُن لوگوں کو احکام شریعت بتلائے جو اپنے آپ کو تحصیل علم کی خاطر فارغ نہ کرسکے۔اور جو لوگ تفقہ نہیں رکھتے وہ اِن کے بتلائے ہوئے طریقوں اور احکام پر عمل کریں اور اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔اسی کا نام تقلید ہے۔

اور دیگر آیات بھی ہیں جن سے تقلید کا ثبوت ملتا ہے۔

تقلید کا ثبوت احادیث سے

● حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم میں کتنا عرصہ تمہارے درمیان رہوں گا پس تم میرے بعد دوشخصوں کی اقتداء کرنا،ایک حضرت ابوبکر، دوسرے حضرت عمرؓ کی۔(ترمذی ۲:۲۰۷باب المناقب،ابن ماجہ ص:۱۰،مسند احمد ۵:۱۹۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۷:۴۷۳،کتاب الفضائل،کنزالعمال ۱۱:۵۶۲،حدیث نمبر۳۲۶۵۶)

اس حدیث شریف میں اقتداء کا حکم وارد ہے،اقتداء کا لفظ دینی امور میں تقلید کے لئے استعمال ہوا ہے،قرآنی آیات اور احادیث میں اس کے بیشمار نظائر موجود ہیں لہٰذا حضرت ابوبکرو حضرت عمرؓ کی اس حدیث شریف میں صرف اقتداء کا حکم دیا گیا ہے یعنی جو یہ حضرات کہیں اس کو مان لو،ان سے دلیل نہیں طلب کی گئی ہے۔اسی کو تقلید کہتے ہیں۔

● حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان حضور اکرم ﷺ تشریف فرما ہوئے (طویل حدیث میں ہے) فرمایا: میرے بعد تم لوگ بہت اختلاف دیکھو گے، سو تم میری سنت کو اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو۔ (مسند احمد ۴:۱۲۶، ترمذی ۲: ۹۶، ابوداؤد ۲: ۶۳۵، سنن دارمی ۱:۳۴، ابن ماجہ ص: ۵، مستدرک حاکم ۱: ۱۷۶)

مذکورہ روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے بغیر دلیل مانگے ہوئے اسی کو تقلید کہتے ہیں۔

● حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلا شبہ اللہ تعالیٰ علم کو (دنیا سے) اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اُسے بندوں (کے دلوں) سے سلب کر لے بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو (اپنے پاس) بلا لے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے اُن سے سوالات کئے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے (صحیح بخاری ۱: ۲۰، کتاب العلم صحیح مسلم ۲: ۳۴۰ کتاب العلم، ابن ماجہ ۱، ۶، ترمذی ۲: ۹۴ کتاب العلم، ابن ماجہ: ۱: ۵، مسند احمد ۴: ۱۶۱)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل میں اور احکامات میں فتوی دینا علماء کا کام ہے اگر غیر عالم خود سے اجتہاد کرتا ہے تو وہ گمراہی کا کام کرتا ہے یعنی غیر مقلدیت گمراہی ہے۔ فتویٰ دینا علماء کا کام ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ لوگ ان سے مسائل شرعیہ پوچھیں وہ اُن کو احکام بتائیں اور لوگ اس پر عمل کریں یہی تقلید ہے۔

● حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جب ان کو یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ (لوگوں کے درمیان) کس طرح فیصلہ کرو گے، انہوں نے جواب دیا کہ میں کتاب اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ نے ارشاد فرمایا: اگر اس مسئلے کا حکم کتاب اللہ میں موجود نہ ہو تو پھر؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ نے پوچھا اگر سنت رسول اللہ ﷺ میں وہ حکم موجود نہ ہو تو

پھر؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اس پر آپ نے ان کی توثیق فرماتے ہوئے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کی ہیں جس نے رسول اکرم ﷺ کے قاصد کو اپنے پسندیدہ اور مرضی کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ (ترمذی ۱: ۲۴۷ کتاب الاحکام فی القاضی کیف یقضی، مسند احمد ۵: ۲۸۸، بن عدی فی الکامل ۲: ۱۹۴، رواہ الطبرانی فی الکبیر ۲۰: ۱۷۰، حدیث نمبر ۳۶۲، رواہ البیہقی ۱۰: ۱۱۴)

سنن ابوداؤد کی روایت میں یہی روایت چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ مروی ہے۔ اس میں ہے کہ اگر تم سنت رسول اللہ ﷺ میں بھی مسئلہ شرعی نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟ عرض کیا اس وقت اپنی رائے سے اجتہاد و استنباط کروں گا اس پر آپ ﷺ نے فرط مسرت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر اپنا دست مبارک مارا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔ (ابوداؤد: ۵۰۵ باب اجتہاد الرای فی القضاء)

اس حدیث شریف سے جہاں پر اجتہاد و قیاس کا جواز صراحتاً ثابت ہوتا ہے اسی طرح سے روایت سے تقلید شخصی کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرات فقہاء صحابہ میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا آپ نے انہیں حاکم قاضی معلم اور مجتہد بنا کر اہل یمن کے لئے لازم کر دیا کہ وہ ان کی اتباع کریں اور ان سے ہر معاملہ میں رجوع کریں اور تمام مسائل میں ان کی پیروی کریں۔ یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص ایسا نہ تھا جو ان کی طرح شرعی مسائل جانتا ہو اس لئے اہل یمن ان کی تقلید شخصی کرتے تھے۔

خیر القرون میں صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین کسی نے تقلید شرعی کی مخالفت نہیں کی۔ معلوم تاریخ میں غیر مقلدیت کے سب سے پہلے داعی امام شوکانی ہیں لیکن عوام و خواص کی خاطر خواہ تعداد نے ان کے اس دعوے کو قبول نہیں کیا۔ بطور فرقہ غیر مقلدیت کے یہ داعی ۱۳ رویں صدی ہجری کے اخیر سے شروع ہوئے۔ یہ غیر مقلدین دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ غیر مقلدیت صحابہ کے

زمانے سے ہے لیکن یہ محض دعویٰ ہی ہے۔ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ بلکہ شیعوں کے بھی مدارس، کتابیں، یہاں تک کہ قبرستان بھی ملتے ہیں۔ لیکن ۱۳ر ویں صدی ہجری سے قبل غیر مقلدین اپنا کوئی نشان نہیں بتا سکتے۔ نہ کوئی مدرسہ، نہ کوئی کتاب، نہ کوئی مسجد، یہاں تک کہ نہ کوئی قبرستان۔

بغیر تقلید کے اسلام پر عمل ناممکن ہے۔ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔

(۱) کلمہ کا اقرار (ایمان) (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ (۵) حج۔

مثال کے طور پر صرف دو مثالیں لیجئے۔

مثال نمبر۱:- ایمان ''کلمۂ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**'' کا اقرار ہے۔ جبکہ غیر مقلدین پورے کلمہ (**لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**) کو کم از کم صحاح ستہ کی کسی حدیث میں نہیں بتا سکتے۔ جبکہ پوری امت مسلمہ اور خود غیر مقلدین اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ کلمہ کا اقرار ہی ایمان ہے، اور اس کا ثبوت صرف تقلید سے ہے۔ گویا وہ بغیر تقلید کے ایمان بھی نہیں لا سکتے۔ اگر وہ اس کے منکر ہیں تو کم از کم صحاح ستہ میں پورا کلمہ ایک ساتھ بتا دیں۔

مثال نمبر۲:- مکمل نماز جانے دیجئے، صرف ایک رکعت نماز پر غور کیجئے۔ ایک رکعت نماز میں بھی دسیوں مسائل ایسے ہیں جن کی دلیل قرآن یا حدیث میں موجود نہیں ہے۔ لیکن اُس کے بعد بھی پوری امت اور خود غیر مقلدین بھی اُس پر عمل کرتے ہیں، جن میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

۱) امام تکبیرات بلند آواز سے کہتا ہے اور مقتدی آہستہ سے کہتے ہیں۔

۲) امام سورۂ فاتحہ بلند آواز سے پڑھتا ہے اور مقتدی آہستہ سے پڑھتے ہیں۔

۳) جب بھی قیام کی حالت میں ہوتے ہیں تو ہاتھ باندھتے ہیں لیکن رکوع سے اٹھنے کے بعد قومہ میں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

۴) رکوع میں امام بھی اور مقتدی بھی آہستہ سے سبحان ربی العظیم کہتے ہیں۔

۵) سجدہ میں امام بھی اور مقتدی بھی آہستہ سے سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا امور صرف تقلید کے ذریعے ہی ادا کئے جاتے ہیں۔ اُن کی دلیل میں قرآن کریم کی کوئی آیت یا کوئی حدیث موجود نہیں ہے اگر غیر مقلدین اس کے منکر ہیں تو مذکورہ بالا امور میں صرف ایک ایک حدیث پیش کر دیں۔

بڑے شرم کی بات ہے کہ تقلید کو شرک کہتے ہیں اور وہ اِس کا خیال نہیں کرتے کہ یہ تقلید صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین سے لے کر آج تک پوری امت کرتی آئی ہے۔ اور خود غیر مقلدین بھی یہ کرتے ہیں اور اُسے شرک کہتے ہیں۔ اور یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا۔ اور جس گناہ کو چاہے گا معاف کر دے گا۔ جب غیر مقلدین خود اپنے اصول سے مشرک ہیں تو وہ نماز بھی پڑھتے ہیں تو شرک ہوتا ہے۔ گویا وہ اپنے مسلک پر رہتے ہوئے نماز بھی نہیں پڑھ سکتے۔

ائمہ اربعہ میں سے کسی امام پر ترک حدیث کا الزام صحیح نہیں

علامہ ابن تیمیہ ؒ کی ایک کتاب ہے ''دفع اغلام عن الائمۃ الاعلام'' اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے وجوہ دلالت کے اس قدر کثیر ہیں کہ کسی مجتہد پر یہ الزام صحیح نہیں ہوسکتا کہ اُس نے حدیث کا انکار کیا۔ یہ کتاب دیکھنے کے قابل ہے۔

یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ مجتہد کے پاس اپنے قول کی دلیل نہیں اس واسطے کہ کہیں احتجاج بعبارۃ النص ہوتا ہے۔ اور کہیں باشارۃ النص اور یہ سب احتجاج بالحدیث ہے۔

عامل بالحدیث دراصل مقلدین ہی ہیں

عمل بالحدیث دو طریقے سے ہوتا ہے۔ ایک تو عمل بکل الاحادیث ہے دوسرا عمل ببعض الاحادیث ہے۔ اگر عمل بالحدیث سے مراد عمل بکل الاحادیث ہے تو یہ تو غیر مقلدین بھی نہیں کرتے۔ اور ممکن بھی نہیں کیوں کہ آثار مختلفہ و احادیث متعارضہ میں سب احادیث پر عمل نہیں ہوسکتا۔ یقیناً بعض پر عمل ہوگا اور بعض کا ترک ہوگا۔ اگر عمل بالحدیث سے مراد عمل ببعض الاحادیث ہے تو اس معنی میں مقلدین بھی عامل بالحدیث ہیں۔ غیر مقلدین صرف اپنے ہی کو عامل بالحدیث کیسے کہتے ہیں؟

اتباع حدیث مقصود بالذات ہے اور ائمہ اربعہ محض واسطہ فی التفہیم ہوں گے۔ جو شخص بلا واسطہ عمل بالحدیث کا دعویٰ کرتا ہے وہ حدیث کا اتباع اپنی فہم کے ذریعے سے کرتا ہے۔ اور یقیناً سلف صالحین کی فہم، عقل ورع، تقویٰ و دیانت، خشیت و احتیاط ہمارے اور غیر مقلدین سے زیادہ تھی تو بتلائیے عمل بالحدیث کس کا کامل ہوا؟ مقلدین کا جو سلف کے ذریعے سے احادیث پر عمل کرتے ہیں یا غیر مقلدین کا جو اپنی فہم کے ذریعہ سے حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ اس کا فیصلہ اہل انصاف خود کرلیں۔

حاصل

اوپر کی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ تقلید واجب ہے بغیر تقلید کے ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھ سکتے، پورے اسلام پر عمل کرنا تو دور کی بات ہے۔

غیر مقلدین کی تشکیک

تشکیک کہتے ہیں شک پیدا کرنے کے لئے سوالات کرنا اور غیر مقلدین سوالات شک پیدا کرنے کے لئے ہی کرتے ہیں۔

سوال:- کیا تقلید صحابہ، تابعین یا تبع تابعین کے زمانے میں تھی؟ جب خیر القرون میں نہیں تھی تو اب کیوں؟

جواب:- ایمان کے قبول کرنے کی مثال، اور نماز کے ایک رکعت کے امور کی مثال اوپر پیش کر دی گئی کہ اُن امور میں بھی صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین تقلید کرتے تھے۔ اور اگر غیر مقلدین اس کے منکر ہیں تو مذکورہ بالا دونوں امور کی دلیل میں صریح آیت یا احادیث صریحہ پیش کریں۔ اور وہ پیش کر سکتے ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ تقلید شرعی ہر زمانے میں موجود تھی۔ اور اس کے بغیر اسلام پر عمل ناممکن ہے۔

سوال:- بجائے صحابہ کے ائمہ کی تقلید کیوں ضروری ہے؟

جواب:- تقلید کے لئے مجتہد کے مسلک کا مدون و منضبط ہونا ضروری ہے۔ اور صحابہ میں سے کسی کا مسلک اس طرح اصولاً و فروعاً مدون ہی نہیں۔ اس لئے اُن کی تقلید کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

سوال:- تقلید شخصی کے متعلق قرآن و صحیح حدیث میں کیا حکم ہے؟

جواب:- ابھی تک غیر مقلدین کے نزدیک تقلید ''شرک'' اور ''بدعت'' تھی۔ اور تقلید کو وہ لوگ لاعلمی، جہالت، اندھا پن وغیرہ وغیرہ کہتے تھے۔ اب جبکہ تقلید کی دلیل میں قرآن کریم کی آیات، احادیث، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین کے عمل اور خود اُن کا عمل بھی پیش کر دیا گیا، جس کے انکار سے وہ عاجز ہیں، تو مسئلہ کو نہ ماننے کے لئے اور اُس میں تشکیک کیلئے مزید سوالات پیدا کرتے ہیں اور تقلید کی دو قسمیں بتاتے ہیں۔ جب مطلق تقلید کو شرک بدعت کہہ چکے تو اب اُس کی قسموں پر اتر آئے۔ پہلے غیر مقلدین یہ واضح کریں کہ کیا انہوں نے تقلید کو واجب مان لیا؟ اس کے شرک اور بدعت ہونے سے انکار کر دیا؟ اُسکے بعد مزید گفتگو کریں۔ اس سوال میں غیر مقلدین کو صرف تقلید شخصی پر اعتراض ہے جس طرح انہوں نے تقلید کو حق مان لیا ویسے ہی تقلید شخصی کو حق مانیں۔

دراصل جب قرآن کریم، احادیث، خیر القرون کے فعل سے ثابت کر دیا گیا کہ تقلید نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے تو اِن کی بنیاد ہی ڈھ گئی۔ پھر وہ ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں کہ کسی طرح سے عوام کے ذہن میں شک باقی رہے۔ اس لئے زبردستی سوالات قائم کر رہے ہیں کہ تقلید شخصی کے متعلق قرآن و صحیح حدیث میں کیا حکم ہے؟ جب تقلید کو مطلق شرک، جہالت کہہ چکے تو کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ تقلید (جہالت اور شرک) جب غیر شخصی ہو تو جائز ہو جاتی ہے؟

سوال:- اگر تقلید کا حکم ہے تو آیت اور حدیث صاف صاف لکھ دیجئے جس میں یہ ہو کہ فلاں امام کی تقلید تم پر فرض ہے؟

جواب:- مثل مشہور ہے ''خوئے بدرا بہانہ بسیار''۔ جب تمام حیلے بہانے بیکار ہو گئے تو نہ ماننے کے لئے کوئی بہانہ تلاش کرنا ہے تو بہانہ ایسا تلاش کیا جیسے بنی اسرائیل تلاش کرتے تھے۔ یعنی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو پے در پے سوالات شروع۔ وہ گائے کیسی ہو، اُس کا رنگ کیسا ہو؟ وہ کیا کرتی ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔ جب نہیں ماننا ہے تو مطالبہ ایسا پیش کیا جس سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر جرأت ہو گئی (**نعوذ باللہ من ذالک**)۔ سوال کیا کہ قرآن کریم میں ائمہ اربعہ کا نام

بتاؤ ورنہ ہم نہیں مانیں گے۔اصل میں غیر مقلدین کا وطیرہ ہی یہی ہے۔ان کے بڑے بھائی منکرین حدیث مطالبہ کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں بخاری، ترمذی اور محدثین کے نام بتاؤ؟ ورنہ ہم حدیث کو نہیں مانیں گے۔کیا اُنہیں اتنا بھی علم نہیں ہے کہ قرآن کریم اور احادیث کلیات پیش کرتے ہیں، جزئیات نہیں۔قرآن کریم یا احادیث میں جزئیات کا مطالبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر جرأت کرنا ہے۔مثلاً قرآن کریم اور احادیث میں ''مسجدِ حرام'' کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے اور احادیث میں یہ تو بھی آتا ہے کہ پیشاب، پاخانہ کے لئے قبلہ کی رُخ یا پیٹھ نہ کرو۔ بلکہ شرقاً غرباً رہو کیونکہ مسجد نبوی کا قبلہ جنوب کی سمت ہے۔غیر مقلدین ہندو پاک میں مغرب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔کیا یہ قرآن وحدیث سے بتائیں گے کہ ہندو پاک میں قبلہ مغرب کی سمت ہے۔یقینی بات ہے کہ نہیں بتا سکتے کیوں کہ یہ جزئیات میں سے ہے۔ اور یہ تو فقہاء کا کام ہے کہ عوام کو قبلہ کی سمت کا تعین کر کے بتائیں۔ پھر غیر مقلدین کا قرآن و حدیث میں ائمہ اربعہ یا امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے ناموں کا آیت یا حدیث میں مطالبہ بہانہ بسیار ہے۔

رہ گیا یہ کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کس دلیل سے ہے؟ تو یہ بالکل ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید ''اجماعِ امت'' سے ہے جو کہ شرعی دلائل میں سے ہے۔

سوال:- اجماع کی تعریف کیا ہے؟ اور کن لوگوں کا اجماع معتبر ہے؟ کیا تقلید، تقلید شخصی پر اجماع ہوا ہے؟ اگر ہوا ہے تو کب؟ کہاں اور کن کا؟

جواب:- غیر مقلدین کے نزدیک اجماع حقیقی ممکن ہی نہیں، اُن کا اجماع صرف تصوراتی ہے، پھر بھی اُن کو اجماع کی فکر ہے۔اُن کے نزدیک تو صرف قرآن وحدیث حجت ہے۔اور تقلید حرام وشرک ہے۔اور اجماع تو غیر نبی کا ہوتا ہے، جو خود تقلید ہے۔تو اس تقلید کی اُن کو فکر کیوں ہوگئی؟ پھر بھی استحساناً جواب ملاحظہ ہو۔ہم عصر مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاق کرنا (چاہے وہ عملاً ہو یا قولاً) اجماع کہلاتا ہے۔اُس پر متواتر عمل ہونے سے اُس کا متواتر ثبوت ہوتا ہے۔مثلاً امت کا اس پر اجماع ہے

کہ سند کے اعتبار سے ''صحیح بخاری'' اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے۔اگر یہ کوئی کہے کہ اجماع کب ہوا؟ کہاں ہوا اور کن کا ہوا؟ تو کیا صحیح بخاری پر اجماع تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ اجماع کیلئے ضروری نہیں کہ زمان، مکان یا اشخاص کا تعین ہو، اگر عرف میں عملاً بھی اجماع ہو جائے تو اجماع کے لئے کافی ہے۔اور خیر القرون کے بعد ہر جگہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کی تقلید شخصی پر متواتر عمل جاری رہا ہے۔یہی اس کے اجماع پر قوی ترین دلیل ہے۔

سوال:- ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد ابن حنبلؒ) کی تخصیص کیوں ضروری ہے؟

جواب:- ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے مجتہد کی تقلید کی جائے جس کا فقہ اصولاً وفروعاً ایسا مدون ومنضبط ہو کہ قریب قریب تمام سوالات کے جوابات اس میں جزئیاً یا کلیاً مل سکیں تا کہ دوسرے اقوال کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ ہو۔اور یہ امر منجانب اللہ ہے کہ یہ صفت بجز مسالک اربعہ کے کسی مسلک کو حاصل نہیں تو ضروری ہوا کہ ان ہی میں سے کسی مسلک کو اختیار کیا جائے۔کیوں کہ پانچویں مسلک کو اختیار کرنے میں پھر وہی خرابی پیدا ہوگی کہ جن سوالات کے جوابات اس میں نہ ملیں تو ان کے لئے دوسرے مسلک کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور نفس کو وہی بے لگامی کی عادت پڑے گی جو فساد کا باعث ہے۔مسالک اربعہ کی تخصیص کی وجہ یہی ہے۔اور اسی بناء پر مدت سے اکثر جمہور علمائے امت کا یہی تعامل اور توارث چلا آ رہا ہے حتی کہ بعض علماء نے ان چاروں مسالک میں اہلسنت والجماعت کے منحصر ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

سوال:- کیا شروع اسلام سے لے کر آج تک امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے سوا کوئی عالم یا فقیہ پیدا ہی نہیں ہوا، اگر ہوئے تو صرف انہی چاروں کی تقلید کیوں ضروری ہے؟

جواب:- قدرتی قاعدہ ہے کہ ہر شئے عموماً اپنی ضرورت کے وقت ہی ہوا کرتی ہے۔جس فصل میں عموماً بارش کی حاجت ہوتی ہے اُسی فصل میں بارش ہونے کا قاعدہ ہے، اسی طرح ہوائیں حاجت کے وقت چلا کرتی ہیں، جہاں سردی زیادہ پڑتی ہے وہاں کے جانوروں کے اون بہت

بڑے ہوتے ہیں۔اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔اسی طرح جب تدوین حدیث کی ضرورت تھی بڑے بڑے قوی حافظہ کے لوگ پیدا ہوئے،اب ویسے نہیں ہوتے (کیا غیر مقلدین میں کوئی دعویٰ کرے گا کہ میں امام بخاری سے بڑا محدث ہوں،اگر کوئی دعویٰ بھی کرے تو خود غیر مقلدین نہیں تسلیم کریں گے۔جب کہ قرآن وحدیث میں کہیں نہیں آیا ہے کہ اب امام بخاری جیسے محدث پیدا نہیں ہوں گے،اس کے بعد بھی غیر مقلدین یہی مانتے ہیں)۔اسی طرح جب تک تدوین دین کی ضرورت تھی قوت اجتہادیہ لوگوں میں بخوبی موجود تھی۔اب چوں کہ دین مدون ہو چکا ہے اور اصول وقواعد مدون ہو چکے ہیں اسلئے قرآن وحدیث سے اصول مستنبط کرنا اب نہیں ہوسکتا۔اجتہاد فی الاصول کی تدوین ختم ہوچکی۔سب ائمہ مجتہدین بیان کر چکے،انہوں نے کوئی قاعدہ نہیں چھوڑا۔ان کے بعد اگر کسی نے اصول مستنبط کئے بھی تو مستحکم نہیں،کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتے ہیں۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد فی الاصول کے لئے اب دماغ قابل ہی نہیں رہے۔یہ حضرات مجتہدین کا ہی خاص حصہ تھا کہ انہوں نے نصوص سے اس خوبی سے اصول مستنبط کئے جو کہیں نہیں ٹوٹ سکتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ ہدایہ کے اصول مسلّم نہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر معتبر کتاب ہے اس میں اصول غلط نقل کر دیئے گئے ہیں،بلکہ شاہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے کچھ اصول خود مستنبط کئے ہیں اور ایسے اصول کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتے ہیں۔صاحب ہدایہ اس کے باوجود کہ بہت بڑے شخص ہیں ان کی علمی شان ہدایہ ہی سے معلوم ہوتی ہے،لیکن ان کے خود کے مستنبط اصول کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتے ہیں جبکہ جو اصول انہوں نے ائمہ مجتہدین کے نقل کئے ہیں وہ کہیں نہیں ٹوٹتے،جس سے ثابت ہوتا ہے کہ استنباطِ اصول ائمہ مجتہدین ہی کا خاص حصہ تھا۔

سوال:- ان چار ائمہ نے کیسے تعلیم پائی ہے؟ بذریعہ وحی یا دیگر ائمہؒ سے؟ اگر دیگر ائمہ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی تو کیا ان کے اساتذہ ان سے افضل تھے یا مفضول؟ اگر افضل تھے تو ان کی تقلید

کیوں نہیں کی جاتی؟

سوال:- چاروں ائمہؒ افضل ہیں یا چاروں خلفائے راشدینؓ؟ اگر خلفائے راشدینؓ افضل ہیں تو پھر ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

سوال:- حضرت حسنؓ،حضرت حسینؓ،حضرت زین العابدینؒ،حضرت امام باقرؒ اور حضرت امام جعفر صادقؒ ان چاروں ائمہ سے افضل ہیں یا یہ چار امام ان سے افضل ہیں؟ آل رسول ﷺ کے ان ائمہ کے مقلد کو تو ہم شیعہ رافضی کہیں اور ان سے کم درجہ کے ائمہ کی تقلید کو فرض مانیں،اس تفریق کی وجہ کیا ہے؟

جوابات:- غیر مقلدین کے سوالات شیعوں کے پٹارے سے ہیں۔خود سوالات ہی اس پر گواہ ہیں۔دراصل یہ سوالات شیعوں کے ہیں جو انہوں نے اہل سنت والجماعت اور ائمہ محدثین پر بطور اعتراض کئے ہیں۔غیر مقلدین ان سوالات کو محدثین پر منطبق کر کے اپنی عقل کا ماتم کریں کہ اہل حدیث ہوتے ہوئے محدثین کے خلاف ہی پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔اور یہی سوالات منکرین حدیث بھی انکار حدیث میں کرتے ہیں۔''افضل''۔''مفضول'' وغیرہ شیعوں کی اصطلاحات ہیں۔آپ یا تو اہلسنت والجماعت کو دھوکہ دے رہے ہیں یا دھوکہ کھا رہے ہیں۔اگر یہی سوال یہاں کیا جائے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ افضل تھے یا اُن کے اساتذہ؟ ائمہ محدثین افضل تھے یا خلفائے راشدین؟ اگر اُن کے اساتذہ افضل تھے تو اُن کی احادیث کا اتباع کیوں نہیں کیا جاتا؟ اگر خلفائے راشدین افضل تھے تو اُن کی احادیث کو ترجیح کیوں نہیں دی جاتی؟

پہلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ مسلک پر عمل کیلئے ضروری ہے کہ اس کا فقہ مدوّن ہو۔اور جو مجتہد اسے مدون کرتا ہے نسبت اس کے نام سے ہوتی ہے۔جیسے احادیث رسول ﷺ کو امام بخاریؒ نے جمع کیا اسے صحیح بخاری کا نام دیا گیا،امام مسلمؒ نے جمع کیا تو صحیح مسلم کا نام دیا گیا۔اسی طرح جس فقہ کو جس امام نے مدون کیا وہ اُس کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔دوسری بات یہ ہونی چاہئیے کہ اس مسلک پر اجماع ہو۔ائمہ اربعہ کے اساتذہ،خلفائے راشدین نے سرے سے کسی فقہ

کو مدون نہیں کیا۔ جب مذکورہ اکابر کا کوئی مدون فقہ موجود ہی نہیں ہے تو اس پر اجماع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور اُس میں افضل و مفضول کی بحث فضول ہے۔

سوال:- کسی مقلد عالم، مفتی یا شیخ الحدیث کو کوئی آیت یا صحیح حدیث مل جائے جو اس کے امام کے قول کے خلاف ہو تو اس عالم یا مفتی کو کیا کرنا چاہئے؟ اگر وہ یہ کہہ کر صحیح حدیث کو ٹال دیں کہ ہمارے امام کا مسلک نہیں ہے تو وہ مومن رہا یا نہیں؟ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''سو قسم ہے تیرے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپسی اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔'' (سورۃ النساء ۶۵)

جواب:- کیا آپ ائمہ مجتہدین کو اپنے جیسا نام نہاد محقق سمجھتے ہیں یا شیعوں کے امام پر قیاس کرتے ہیں؟ اہلسنت والجماعت میں ''امام'' کا درجہ اسی کو حاصل ہوتا ہے جو کتاب وسنت کا ماہر ہوتا ہے اور اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے سامنے قرآن کریم کی تمام آیات اور ان کا صحیح مفہوم، کسی بھی مسئلہ میں تمام احادیث بلکہ ان پر اسلاف کا عمل بھی سامنے ہوتا ہے، اس کے بعد ہی وہ کوئی اجتہاد کرتا ہے۔ اس لئے اس کا قول کیسے کسی حدیث کے خلاف ہو سکتا ہے، ۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث نااہل کی سمجھ کے خلاف ہو، لیکن اجتہادی مسئلے کے خلاف نہیں ہو سکتی ۔ نااہل اُسے قرآن و حدیث کے خلاف کہتا ہے گویا وہ اپنی سمجھ کو قرآن وحدیث کہتا ہے ۔ یہاں پر یہ مثال بالکل صادق آتی ہے کہ ''بات اپنی نام قرآن کا'' اور ''بات اپنی نام حدیث کا''۔

اگر حقیقت میں ایسا کوئی مسئلہ موجود ہو جس میں کوئی مسلک صحیح صریح حدیث کے خلاف ہو تو غیر مقلدین اس مسئلے پر علماء سے تقریری یا تحریری مناظرہ کر سکتے ہیں، حقیقت سامنے آجائے گی۔ ورنہ اِس قسم کے مفروضوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

سوال:- اگر نماز کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی طریقے پر ہی پڑھنا ضروری ہے تو امام اعظم محمد ﷺ کا نماز کا طریقہ کس لئے ضروری ہے جیسا کہ حدیث میں ''**صلوا کمارائیتمو نی اصلی**'' نماز اسی

طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

جواب:- شرعی اصطلاح میں دین کے کسی شعبہ کے ماہر کو ''امام'' کہا جاتا ہے، جو کہ امتی ہوتا ہے۔ یعنی ''امام'' غیر نبی کے لئے سب سے اونچا درجہ ہوتا ہے اور نبی کو اس کا درجہ اللہ رب العزت عطا فرماتا ہے۔ کسی مخلوق کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ کسی کو ''نبی'' کا درجہ دے۔ آپ نے نبی آخر حضور اکرم ﷺ کو امام لکھ کر اور غیر نبی کے ساتھ موازنہ کر کے ایک قابل مذمت عمل کیا ہے، اور نبی کو غیر نبی کی صف میں بتانے کی کوشش کی ہے۔ اسلئے پہلے آپ توبہ کیجئے، ورنہ برا انجام ہونے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔

رہ گیا حضور ﷺ کے نماز پڑھنے کا حوالہ، تو کیا حضور اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے اِن غیر مقلدین نے دیکھا ہے یا کیا وہ دیکھ سکتے ہیں؟ جب نہیں دیکھ سکتے تو صرف ابلہ فریبی (بے وقوف بنانے) کے لئے احادیث نہیں پیش کرنا چاہئے۔ حضور ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے دیکھا انہوں نے اُسی نماز کو بیان کیا۔ ائمہ اربعہ کے پاس کسی نہ کسی صحابہ کرامؓ کے نماز پڑھنے کا طریقہ موجود ہے۔ اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حضور ﷺ کو دیکھے ہوئے صحابہ کرامؓ کا قول وفعل حجت ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک تو وہ بھی حجت نہیں ہے۔ اسلئے اُنہیں تو اِس حدیث کو پیش کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔

نماز تو حضور اکرم ﷺ کے طریقے پر ہی پڑھی جاتی ہے۔ لیکن نماز میں کچھ امور اجتہادی بھی ہیں۔ جن کا ذکر قرآن کریم یا احادیث میں صراحتاً مذکور نہیں ہے۔ (اُن میں سے کچھ کا حوالہ شرعی دلائل کے ذیل میں دیا گیا ہے) اس لئے نماز کے اجتہادی امور میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی طریقے پر عمل ضروری ہے۔ اگر غیر مقلدین اس کے منکر ہیں کہ نماز میں کوئی امر اجتہادی نہیں ہے تو وہ درج ذیل امور کی صرف ایک ایک حدیث پیش کر دیں۔

۱) امام تکبیرات بلند آواز سے کہتا ہے اور مقتدی آہستہ سے کہتے ہیں۔

۲) امام سورۂ فاتحہ بلند آواز سے پڑھتا ہے اور مقتدی آہستہ سے پڑھتے ہیں۔

۳) جب بھی قیام کی حالت میں ہوتے ہیں تو ہاتھ باندھتے ہیں لیکن رکوع سے اٹھنے کے بعد قومہ میں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

۴) رکوع میں امام بھی اور مقتدی بھی آہستہ سے سبحان ربی العظیم کہتے ہیں۔

۵) سجدہ میں امام بھی اور مقتدی بھی آہستہ سے سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا امور صرف تقلید کے ذریعے ہی ادا کئے جاتے ہیں۔اُن کی دلیل میں قرآن کریم کی کوئی آیت یا کوئی حدیث موجود نہیں ہے اگر غیر مقلدین اس کے منکر ہیں تو مذکورہ بالا امور میں صرف ایک ایک حدیث پیش کردیں۔

سوال:- اگر چاروں مسلک برحق ہیں یعنی چاروں اماموں کے مقلدین حق پر ہیں اور ہر شخص کو اپنے امام کی تقلید لازم ہے، اب اگر ایک شافعی المسلک آدمی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کو فرض مانتا ہے اور پڑھتا ہے تو وہ حق پر ہے؟ اس لئے کہ وہ امام صاحب کی تقلید کررہا ہے؟ اور ایک جماعت موحدین کا یہی عمل ناحق ہے؟ اسلئے کہ وہ امام اعظم نبی کریم ﷺ کی اتباع کررہا ہے؟

جواب:- امام کے پیچھے مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا اجتہادی مسئلہ ہے اسلئے اگر ایک حنفی مقتدی سورۂ فاتحہ نہیں پڑھ رہا ہے تو وہ اپنے امام کے اجتہاد کی تقلید میں نہیں پڑھ رہا ہے اسلئے حق پر ہے اور اگر ایک مقتدی شافعی سورۂ فاتحہ پڑھ رہا ہے تو اپنے امام کی اجتہاد کی تقلید میں پڑھ رہا ہے اس لئے وہ بھی حق پر ہے کیوں کہ مقلد کے لئے اس کے امام کا اجتہاد حجت ہے۔اور اگر ایک غیر مقلد مجتہد کے درجہ پر فائز نہ ہوتے ہوئے بھی اجتہاد کرنے کی کوشش کررہا ہے تو اٹکل پچو کام کررہا ہے، خود بھی گمراہ ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کررہا ہے۔اور گمراہی ناحق ہے۔اس لئے وہ غیر مقلد حق پر نہیں۔

اگر کوئی غیر مقلد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے تو اصول سے یہ ہونا چاہئے کہ قرآن کریم کی صریح آیت پیش کرے یا احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرے ورنہ نبی کریم ﷺ کا نام استعمال کرکے گمراہ نہ کرے۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو'' مسئلہ اجتہاد وتقلید کا آخری فیصلہ'' از افادات :حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ،الکلام المفید فی اثبات التقلید مصنف حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب اور اس موضوع پر بہت سی کتابیں)

وسیلہ

تعریف:- وسل بمعنی تقرب ہے،توسل لغت میں تقرب اور نزدیکی کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً دعا میں وسیلہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کی رحمت کا مستحق ہے اور جو رحمت کا مستحق ہو، اس سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی باعث رحمت ہے اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ پس ہم پر بھی رحمت فرما۔

شرعی حیثیت:- وسیلہ مباح یا مستحب ہے،فرض اور واجب نہیں ہے۔نہ کرنیوالوں کو ملامت نہیں کی جاسکتی ،اور کرنے والوں پر اعتراض بھی نہیں کیا جاسکتا۔اور مباح کو ناجائز کہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس کا قرآن وسنت سے کوئی ثبوت نہیں۔

وسیلہ کا ثبوت حضور اکرم ﷺ سے صحابہ کرامؓ سے،تابعین، تبع تابعین سے آج تک متواتر چلا آرہا ہے۔اُسے شرک یا ناجائز کہنا براہ راست حضور ﷺ اور خیر القرون پر الزام ہے اس لئے اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔

اہل سنت والجماعت:- ''اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مقبول مخلوق (چاہے وہ نبی ہوں، غیر نبی اولیاء ہوں) کی برکت سے۔مثلاً دعا میں یہ کہنا کہ ''اے اللہ! فلاں کی برکت یا طفیل سے ہماری اس دعا کو قبول فرما''۔اس کو جمہور نے جائز کہا ہے۔

غیر مقلدین:- ''اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مقبول مخلوق کی برکت سے'' اسے غیر مقلدین شرک اور حرام کہتے ہیں۔

''وسیلہ'' کے دلائل سوالات کے جوابات میں ملاحظہ ہوں۔

غیر مقلدین کی تشکیک

تشکیک کہتے ہیں شک پیدا کرنے کے لئے سوالات کرنا اور غیر مقلدین سوالات شک پیدا کرنے کے لئے ہی کرتے ہیں۔

ذیل میں ہم غیر مقلدین کی تشکیکات بشکل سوالات پیش کررہے ہیں، اُن سوالات میں ایک مخصوص مسلک کو مخاطب کیا گیا تھا۔ ہم نے اُسے ائمہ اربعہ کے مقلدین سے بدل دیا ہے سوالات وہی ہیں۔

سوال:- مقلدین حضرات حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے دُعا مانگتے ہیں قرآن یا صحیح حدیث سے ثابت کریں۔

جواب:- جمیع اہل سنت والجماعت کے نزدیک وسیلہ جائز ہے۔ وسیلے کے جواز کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

(۱) صحیح بخاری جلد:۱، ص:۳۰۲ کی مشہور حدیث ہے جس میں تین اشخاص کا ایک غار میں پھنس جانے کا ذکر ہے۔ اور ہر ایک شخص نے اپنے گمان کے مطابق اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کی کہ فلاں فلاں عمل جو میں نے کیا اگر آپ کے یہاں مقبول ہے تو اس کے طفیل یہ مصیبت دوُر کردے......اور غار سے پتھر ہٹ گیا......(**بَاب مَن استأجر اجیراً فَتَرُکَ اَجْرُہ ُ...فَاسْتَفْضَلُ**)

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے نیک اعمال کے وسیلہ سے دعاء کا ذکر کیا ہے۔

(۲) ایک نابینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بینائی کے لئے دعاء چاہی حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم کہو تو میں دعاء کروں لیکن اگر تم صبر کرو تو زیادہ بہتر ہے، انہوں نے دعاء کی درخواست کی۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ان کو فرمایا کہ پہلے بہت اچھی طرح سے وضو کرو، اس کے بعد یہ دعاء پڑھو؛ **اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد ا صلی اللّٰہ علیہ وسلم** ......اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کے نبی جو رحمت کے نبی ہیں محمد ﷺ کے واسطے سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ میں آپ کے طفیل اپنے رب کی طرف متوجہ

ہوتا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے اے اللہ حضور کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔

(ترمذی باب فی دعاء النبی ﷺ وتعوذہ فی دُبر کل صلوۃ، ج:۲ص:۱۹۸، ابن ماجہ ص:۱۰۰)

اسی روایت کو نسائی، بیہقی نے بھی نقل کیا ہے۔ ترمذی اور بیہقی نے اسے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے وسیلے سے دعاء کی تعلیم فرمائی۔

طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا کے الفاظ یہ نقل کئے ہیں ”**بحقّ نبیک والا نبیاء الذین من قبل** یعنی اے اللہ تیرے نبی کے طفیل اور گذشتہ انبیاء کے طفیل۔“

اس حدیث میں حضور ﷺ کے وسیلے سے اور دوسرے انبیاء کے وسیلے سے دعاء کی تعلیم ہے۔

(۳) حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ جب قحط پڑتا تو حضرت عمر بن خطاب ؓ حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ کے وسیلہ سے پانی کی دُعا مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ اے اللہ ہم ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگتے تھے تو، تو' ہم پر بارش برساتا تھا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے مانگتا ہوں پس ہم پر بارش برسا تو ان پر بارش کی گئی۔

(صحیح بخاری باب **سُؤَالِ النَّاسِ الْاِمَامِ الْاِسْتِسْقَاءِ اِذَا قُحِطُوْا** ج:۱ص:۱۳۷)

اس حدیث میں صحابہ کرام کا حضور ﷺ کے وسیلے سے دعاء کا ذکر ہے۔ اور حضرت عباس ؓ یعنی غیر نبی کے وسیلے سے بھی دعاء کا ذکر ہے۔

جمیع اہل سنت والجماعت وسیلے سے دعا مانگنے کے جواز کے قائل ہیں۔ کیا غیر مقلدین اجماع امت کے خلاف وسیلے کے جواز کے قائل نہیں ہیں؟

سوال:- کیا غیر نبی کا وسیلہ لگانا جائز ہے؟ قرآن یا حدیث سے ثابت کریں۔

جواب:- اس سے قبل کے سوال کے جواب میں صحیح بخاری (**باب سُؤَالِ النَّاسِ الْاِمَامِ الْاِسْتِسْقَاءِ اِذَا قُحِطُوْا** ج:۱ص:۱۳۷) کی اس حدیث میں صحابہ کرام کا حضور ﷺ کے وسیلے سے دعاء کا ذکر ہے۔ اور حضرت عباس ؓ یعنی غیر نبی کے وسیلے سے بھی دعاء کا ذکر ہے۔

سوال:- مقلدین کے نزدیک مُردوں کا وسیلہ لگانا جائز ہے۔ کس دلیل سے؟

جواب:- ابھی تک مطلق ''وسیلہ'' شرک تھا، گمراہی تھا، اب اُس کی قسمیں ہوگئیں۔ کہ زندوں کا وسیلہ اور مردوں کا وسیلہ۔ اِن کے سوال کا انداز بتلا رہا ہے کہ انہوں نے زندوں کے وسیلہ کو مان لیا۔ یعنی اگر شرک زندوں کے ساتھ ہو تو جائز اور مردوں کے ساتھ ہو تو ناجائز۔ کیا غیر مقلدین ایسی صریح آیت یا صریح حدیث پیش کریں گے کہ مردوں کا وسیلہ ناجائز ہے۔

دراصل جب احادیث اور خیر القرون کے فعل سے ثابت کر دیا جاتا ہے کہ وسیلہ مباح ہے تو اُن کی بنیاد ہی ڈھ جاتی ہے۔ پھر وہ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں کہ کسی طرح عوام کے ذہنوں میں شک باقی رہے۔ اس لئے زبردستی سوالات قائم کرتے ہیں۔ جب غیر مقلدین کے نزدیک ''وسیلہ'' فی نفسہٖ شرک ہے تو کیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شرک جب زندوں کے ساتھ ہو تو جائز اور مُردوں کے ساتھ ہو تو ناجائز؟

وسیلہ فی نفسہٖ مباح ہے۔ چاہے وہ زندوں کا ہو یا مردوں کا۔ وسیلہ کی حقیقت یہی ہے کہ کسی کے نیک اعمال جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوں اُن کے طفیل دعا مانگنا۔ وسیلہ اصل میں نیک اعمال کا ہوتا ہے نہ کہ ذات کا۔ اعمال تو مرتے نہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ ہیں۔ اسلئے اُس میں زندہ اور مردوں کی بحث فضول ہے۔

غیر مقلدین کی گھناؤنی حرکت....اصطلاحات میں معنوی تحریف

غیر مقلدین کی گفتگو اور اُن کی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلامی اصطلاحات کی معنوی تحریف کی ہے، اور اسی معنوی تحریف کی وجہ سے ائمہ اربعہ کے مقلدین پر ''شرک''، ''کفر''، ''بدعت'' وغیرہ کی تہمت (الزام) لگاتے ہیں۔ حالانکہ اُن کی اِس حرکت کی وجہ سے یہی تہمت صحابہ کرامؓ، حضور اکرم ﷺ، اور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ پر بھی عائد ہوتی ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ دراصل غیر مقلدین کے پاس شرک، کفر، بدعت وغیرہ اصطلاحات ضرور ہیں لیکن اُن اصطلاحات کی تعریفات، مطالب و مفہومات خانہ ساز ہیں، اسلامی نہیں۔ یعنی لیبل تو اسلام کا ہوتا ہے لیکن اُس کے پیچھے خانہ ساز معنی اور جدّی اُصول گڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس کو ٹھیٹھ

زبان میں ہم کہیں گے ''بات اپنی نام قرآن کا'' اور ''بات اپنی نام حدیث کا''۔ آئندہ مباحث سے یہ بات ثابت ہو جائے گی۔ آئندہ صفحات میں غیر مقلدین کی تشکیکات بشکل سوالات اور اُن کے سوالات پیش کئے جاتے ہیں جن سے اُن کی معنوی تحریف ثابت ہوتی ہے۔

غیر مقلدین کے سوالات

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ (سورۃ بقرہ:۱۷۰) اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اُسی طریقے کی پیروی کریں گے جس طریقے پر ہم نے اپنے باپ داداؤں کو پایا۔

دیوبندی حنفی حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگتے ہیں اور وہ اسکو ثابت کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کے اُس واقعہ کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جو ذکریا صاحب نے فضائل اعمال حج میں صفحہ نمبر ۱۴۷ پر نقل کیا ہے۔ جس کا حوالہ ساتھ میں دیا جا رہا ہے واقعہ کچھ اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

(جب آدم علیہ السلام سے دانا کھانے کی خطا صادر ہوئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ کے طفیل دعاء کی اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ تم نے محمد ﷺ کو کیسے جانا، ابھی تو میں نے اُن کو پیدا بھی نہیں کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا اور مجھ میں جان ڈالی تھی تو میں نے عرش کے ستونوں پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا تھا تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ جس کا نام ملایا ہے وہ ساری مخلوق میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ بیشک وہ ساری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب انکے طفیل تم نے مغفرت طلب کی تو میں نے تمہاری خطا معاف کر دی)۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔

﴿فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (سورۃ البقرہ : ۳۷)۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور وہ دعاء کیا تھی جو آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سیکھی۔ ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.﴾ دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (سورۃ الاعراف: ۲۳)

(۱) کیا مقلدین کی تعلیمات قرآن کے خلاف نہیں ہیں؟

(۲) یہ کتابیں مقلدین کے مدارس میں روز آنہ پڑھائی جاتی ہیں کیا یہ گمراہ کرنا نہیں ہیں؟

(۳) کیا آپ اس واقعہ کو بھی خواب کہہ کر دامن جھاڑ لیں گے؟

(۴) اگر یہ واقعہ سچا ہے تو قرآن میں جو اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے اس کے بارے میں مقلدین علماء کیا کہتے ہیں؟

(۵) دیو بندی مقلدین اور بریلوی مقلدین کے عقائد میں کیا فرق ہے؟

(۶) اگر یہ واقعہ غلطی سے لکھا گیا تو کیا آپ مان لیں گے کہ علماؤں سے غلطی ہو سکتی ہے؟

(۷) عوام کو جماعتوں میں لے جا کر اس کی تعلیم دینا مقلدین علماؤں کے نزدیک کیسا ہے؟

(۸) اگر یہ واقعہ غلطی سے لکھ دیا گیا ہے تو فضائلِ اعمال وفضائلِ صدقات میں سیکڑوں واقعات ہیں جو قرآن وصحیح احادیث سے ٹکراتے ہیں اس پر مقلدین علماء کیا کہتے ہیں؟

(۹) اگر امام یا عالم کی بات قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو کیا کرنا چاہئے؟

(۱۰) تمام مقلدین علماء کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی جائے اس کا بار کس پر ہوگا؟

جوابات

آپ نے فضائل حج سے ایک نشان زدہ عبارت پیش کی ہے جو دراصل امام حاکم کی پیش کردہ حدیث ہے جس میں ''وسیلہ'' سے دعا کا تذکرہ ہے۔ وہ درج ذیل ہے:

''جب حضرت آدم علیہ السلام سے دانہ کھانے کی خطا صادر ہوئی تو انہوں نے اللہ جلّ شانہٗ سے حضور ﷺ کے طفیل دعاء کی اللہ جل شانہٗ نے دریافت کیا کہ آدم تم نے محمد ﷺ کو کیسے جانا، ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا کہ یا اللہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا اور مجھ میں جان ڈالی تھی تو میں نے عرش کے ستونوں پر لاالٰہ اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ لکھا ہوا دیکھا تھا۔ تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ جس کا نام ملایا ہے وہ ساری مخلوق میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ بیشک وہ ساری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور جب اُس کے طفیل تم نے مغفرت طلب کی تو میں نے تمہاری خطا معاف کر دی۔''

اس عبارت پر آپ نے دس سوالات قائم کئے ہیں جن سے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ''وسیلہ'' گمراہی ہے۔

اب ہم مذکورہ حدیث کی بجائے (۱) صحیح بخاری کی حدیث (۲) ترمذی، نسائی اور طبرانی کی حدیث (۳) صحیح بخاری کی روایت جو دراصل حدیث (تقریر رسول) ہے اور صحابہ وتابعین کرام کا عمل ہے پیش کر رہے ہیں اور آپ کے سوالات ان پر چسپاں کر رہے ہیں ملاحظہ ہو۔

(۱) صحیح بخاری جلد: ۱، ص: ۳۰۲ کی مشہور حدیث ہے جس میں تین اشخاص کا ایک غار میں پھنس جانے کا ذکر ہے۔ اور ہر ایک شخص نے اپنے گمان کے مطابق اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کی کہ فلاں فلاں عمل جو میں نے کیا اگر آپ کے یہاں مقبول ہے تو اس کے طفیل یہ مصیبت دوٗر کر دے......اور غار سے پتھر ہٹ گیا......(بَابُ مَنِ اسْتَأْجَرَ اَجِيْرًا فَتَرَكَ اَجْرَهٗ......فَاسْتَفْضَلَ)

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے نیک اعمال کے وسیلہ سے دعاء کا ذکر کیا۔

(۲) ایک نابینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بینائی کے لئے دعاء چاہی حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم کہو تو میں دعاء کروں لیکن اگر تم صبر کرو تو زیادہ بہتر ہے، انہوں نے دعاء کی درخواست کی۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ان کو فرمایا کہ پہلے بہت اچھی طرح سے وضو کرو، اس کے بعد یہ دعاء پڑھو۔

اللّٰھم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمد ا صلی اللّٰه علیه وسلم ...

اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کے نبی جو رحمت کے نبی ہیں محمد ﷺ کے واسطے سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ میں آپ کے طفیل اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے اے اللہ حضور کی سفارش میرے حق میں قبول فرما (ترمذی باب **فی دعاء النبی ﷺ وتعوذهٗ فی دُبر کل صلوة**، ج:۲ص:۱۹۸، ابن ماجہ ص:۱۰۰)۔

اسی روایت کو نسائی، بیہقی نے بھی نقل کیا ہے۔ ترمذی اور بیہقی نے اسے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے وسیلے سے دعاء کی تعلیم فرمائی۔

طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا کے الفاظ یہ نقل کئے ہیں "**بحقّ نبیک والانبیاء الذین من قبل** یعنی اے اللہ تیرے نبی کے طفیل اور گذشتہ انبیاء کے طفیل۔"

اس حدیث میں حضور ﷺ کے وسیلے سے اور دوسرے انبیاء کے وسیلے سے دعاء کی تعلیم ہے۔

(۳) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب قحط پڑتا تو حضرت عمر بن خطابؓ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے وسیلہ سے پانی کی دُعا مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ اے اللہ ہم ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگتے تھے تو، تو ہم پر بارش برساتا تھا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے مانگتا ہوں پس ہم پر بارش برسا تو ان پر بارش کی گئی۔ (صحیح بخاری **باب سُؤَالِ النَّاسِ الْاِمَامِ الْاِسْتِسْقَاءِ اذَا قُحِطُوْا** ج:۱ص:۱۳۷)

اس حدیث میں صحابہ کرام کا حضور ﷺ کے وسیلے سے دعاء کا ذکر ہے۔ اور حضرت عباسؓ یعنی غیر نبی کے وسیلے سے بھی دعاء کا ذکر ہے۔

اب ہم آپکے سوالات مذکورہ احادیث پر چسپاں کرتے ہیں آپ انکے جوابات دیجئے انشاء اللہ آپ کو اپنے سوالات کے جوابات خود بخود مل جائیں گے۔

(۱) کیا فرقۂ اہل حدیث اور غیر مقلدین کی تعلیمات قرآن کے خلاف نہیں ہیں؟

(۲) یہ کتابیں (بخاری، ترمذی، نسائی وغیرہ) غیر مقلدین کے مدارس میں روز آنہ پڑھائی جاتی ہیں کیا یہ گمراہ کرنا نہیں ہیں؟

(۳) ان احادیث سے کس تاویل کے ذریعے آپ دامن جھاڑیں گے؟

(۴) اگر یہ احادیث صحیح ہیں تو قرآن میں اللہ تعالیٰ جو ارشاد فرما رہا ہے اس کے بارے میں غیر مقلدین علماء اور غیر علماء کیا کہتے ہیں؟ کیا قرآن کریم کی آیات اور احادیث ایک دوسرے کی معارض ہیں؟ (**نعوذ باللّٰه مِنْ ذالک**) یا قرآن کریم کی آیات میں آپ کی معنوی تحریف چھپی ہوئی ہے؟

(۵) فرقۂ اہل حدیث اور فرقہ اہل قرآن کے عقائد میں کیا فرق ہے؟

(۶) اگر یہ احادیث غلطی سے لکھ دی گئیں تو کیا آپ مان لیں گے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام، تابعین، امام بخاری اور دوسرے محدثین سے غلطیاں ہو سکتی ہیں؟ (**نعوذ باللّٰه مِنْ ذالک**)

(۷) دینی مدارس میں اور عام مسلمانوں میں صحیح بخاری اور دیگر احادیث کی کتابوں کی تعلیم دینا غیر مقلدین علماء اور غیر علماء کے نزدیک کیسا ہے؟

(۸) اگر یہ احادیث غلطی سے لکھ دی گئیں (**نعوذ باللّٰه مِنْ ذالک**) تو صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں اور بھی بہت سی احادیث اور واقعات ہیں جو آپ غیر مقلدین کے قول کے مطابق قرآن و صحیح احادیث سے ٹکراتیں ہیں اس پر غیر مقلدین علماء اور غیر علماء کیا کہتے ہیں؟

(۹) اگر غیر مقلدین علماء اور غیر علماء کی بات قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو کیا کرنا چاہئے؟

(۱۰) جمیع اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اولیاء اور نیک اعمال کے

وسیلہ کے ذریعے دعا کی جاسکتی ہے، جن لوگوں کا عقیدہ وسیلہ کے خلاف ہے اور جو حضور اکرم ﷺ کی احادیث کو، صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین کے افعال کو شرک اور گمراہی کہتے ہیں اس کا بار کس پر ہوگا؟ قیامت کی علامت کے مطابق ''ضَلُّوا وَاَضَلُّوْا یعنی گمراہ ہوئے اور گمراہ کرتے ہیں'' اس کے مطابق آپ کا فعل ہے کہ نہیں؟

جائزہ: آپ غیر مقلدین کی معنوی تحریف کی وجہ سے گمراہی کی تہمت حضور اکرم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین عظّام، محدّثین اور جمیع اہل سنت والجماعت پر عائد ہوتی ہے (نعوذ باللّٰہ مِنْ ذالک)۔ اب غیر مقلدین کو غور کرنا ہے کہ قرآن وحدیث کس کو سمجھتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، محدثین اور جمیع اہل سنت والجماعت کو یا غیر مقلدین کو؟ آپ کی تحریر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو وسیلہ کا مفہوم بھی نہیں سمجھتا۔ اسلئے کہ آپ ''قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا..... مِنَ الْخٰسِرِیْن'' جو دُعا قرآن میں بیان کی گئی ہے اُسے وسیلے کے قائم مقام سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وسیلہ ایسے کلمات ہوتے ہیں جو دعا کیساتھ ملائے جاتے ہیں، وہ دعا کے منافی نہیں ہوتے۔ اپنی جہالت یا معنوی تحریف کے ذریعے دوسروں پر گمراہی کی تہمت لگاتے ہیں جو آپ پر لوٹ سکتی ہے۔

غیر مقلدین کے سوالات

﴿اِنَّہ مَن یُشرِک بِا للہِ فَقَد حَرَّمَ اللہُ عَلَیہِ الجنۃَ وَما وٰہُ النار﴾ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اس پر اللہ نے جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے (سورۃ مائدہ:۷۲)

﴿قُل ھُو اللہُ اَحَدُ . اللہُ الصَمَدُ . لَم یَلِدْ وَلَم یُولَدُ . وَلَم یَکُنْ لَّہُ کُفُو اً اَحَدُ .﴾ آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے (سورۃ الاخلاص)

فضائلِ صدقات جو فضائلِ اعمال کا دوسرا حصہ ہے۔ مقلدین کے یہاں اس کی روزانہ تعلیم کی جاتی ہیں اور جماعتوں میں بھی اسی کتاب کی تعلیم دی جاتی ہیں۔ اسی کتاب فضائلِ صدقات کے صفحہ نمبر ۴۰۹ جس کا حوالہ ساتھ میں دیا جارہا ہے اس پر ذکریا صاحب اپنے جھوٹے ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ نہیں اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں تو خود شرک در شرک ہے۔''

(۱) یہاں پر ذکریا صاحب نے خود اپنے جھوٹے ہونے کا اعتراف کیا ہے ایسی حالت میں ان کی تصانیف کی تعلیم عوام کو دینا کیسا ہے؟

(۲) کیا مقلدین کے یہاں تبلیغی جماعت کے ذریعے شرک کی تعلیم دی جاتی ہے؟

(۳) ''تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے'' یہ عقیدہ وحدت الوجود کا عقیدہ ہے ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ ، کُفُواً اَحَد''۔ اس کے جیسا کوئی نہیں ہے اور ظل کا مطلب ہوتا ہے عکس۔ کیا ذکریا صاحب کے کفر میں کوئی شک رہ گیا ہے؟

(۴) ''وہ جو میں ہوں وہ تو'' ہے۔ اور میں تو خود شرک در شرک ہے'' ایسا عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی ذات میں خود کو شریک کرنا ہے اور اس سے بڑا شرک کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قل ہو اللہ احد کہو کہ اللہ ایک ہے۔ کیا ذکریا صاحب کے مشرک ہونے میں کوئی شک رہ گیا ہے؟

(۵) کیا ایسی تعلیمات اپنے پیچھے چھوڑ کر صرف اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ کہنے سے چھٹکارہ مل جائے گا؟

(۶) یہ عقیدہ امام کا عقیدہ قطعی نہیں تھا، تو کیا ایسا عقیدہ رکھنے والے مقلدین اسلام کے دائرے میں رہے یا نہیں؟

(۷) اگر یہ غلطی سے لکھ دیا گیا ہے تو کیا آپ مان لیں گے کہ علماؤں سے اتنی خطرناک غلطی بھی ہوسکتی ہے؟

(۸) تبلیغی جماعت جب سے شروع ہوئی تب سے اسی کتاب کی تعلیم دی جارہی ہے تو عوام کو شرک کے راستے پر ڈالنے کا بار کس پر ہوگا؟

(۹) دیوبندی مقلدین اور بریلوی مقلدین کے عقائد میں کیا فرق ہے؟

(۱۰) اگر آپ اسے بھی خواب کہتے ہیں تو کیا ایسا خواب کتابوں میں لکھ سکتے ہیں جس سے عوام کا عقیدہ مشرکانا ہو؟

(۱۱) مقلدین کے نزدیک یہ عقیدہ شرکیہ ہے یا نہیں؟

جوابات

آپ نے فضائل صدقات سے ایک مکتوب (خط) کا ایک ٹکڑا نشان زدہ کیا ہے جو درج ذیل ہے

''یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ نہیں اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور تو' خود شرک در شرک ہے''

اس عبارت پر آپ نے گیارہ سوالات قائم کیا ہے جن سے مقلدین پر شرک اور کفر کی تہمت عائد کی ہے۔ مذکورہ عبارت کی جگہ میں صحیح بخاری کی ایک حدیث قدسی اور بیہقی کی ایک حدیث پیش کر رہا ہوں اور اُن پر آپکے سوالات چسپاں کر رہا ہوں آپ دیکھئے کہ کس طرح آپ کی معنوی تحریف ثابت ہوتی ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے گا میرا اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ میری کسی محبوب چیز کے ذریعہ میرا بندہ مجھ سے اتنا قرب حاصل نہیں کر سکتا جتنا اس عمل سے کر سکتا ہے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ اور نوافل کے ذریعے میرا بندہ مجھ سے برابر قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں۔ اور اگر وہ میری پناہ طلب کرے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔ اور جو بھی کام مجھے کرنا ہوتا ہے اسے کرنے میں اتنی نرمی نہیں برتتا جتنی کسی ایسے مومن کی روح (قبض کرنے) میں، جو موت (کی تکلیف) کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی تکلیف کو ناپسند کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع ج نمبر۲ ص: ۹۶۳، ۹۶۲)

☆ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللّٰہ فِی الْاَرْضِ یأوی اِلَیْہِ کُلّ مَظْلُوْمٍ مِنْ عِبَادِہٖ ترجمہ بے شک سلطان (بادشاہ) زمین میں اللہ تعالیٰ کا ظل (سایہ) ہے، اللہ کے بندوں میں جو بھی مظلوم ہوتا ہے وہ اس سایہ میں ٹھکانہ لیتا ہے۔ (شعب الایمان بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الامارۃ ص نمبر ۳۲۳)

ان احادیث پر آپ کے سوالات ملاحظہ ہوں۔

(۲) کیا غیر مقلدین علماء اور غیر علماء کے یہاں صحیح بخاری اور دیگر احادیث کے ذریعے شرک کی تعلیم دی جاتی ہے؟

(۳) ''تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے'' یہ عقیدہ وحدت الوجود کا عقیدہ ہے ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ ، کُفُواً اَحَدٌ۔ اس کے جیسا کوئی نہیں ہے اور ظل کا مطلب ہوتا ہے عکس۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سلطان اللہ کا سایہ ہے۔ پھر آپ (غیر مقلدین) کے قول کے مطابق..... کہ کفر میں کوئی شک رہ گیا ہے؟ (نعوذ باللّٰہ مِنْ ذالک)

(۴) ''وہ جو میں ہوں وہ تو'' ہے۔ اور میں تو خود شرک در شرک ہے'' ایسا عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی ذات میں خود کو شریک کرنا ہے اور اس سے بڑا شرک کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قل ہو اللہ احد کہو کہ اللہ ایک ہے۔ مذکورہ صحیح بخاری کی حدیثِ قدسی ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اُس (نیک بندے) کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ تو کیا آپ کے قول کے مطابق (عیاذاً باللہ) خود اللہ تعالیٰ بڑے شرک کی تعلیم دے رہا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ خود اس کے کلام کی آیت قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد کا مفہوم نہیں سمجھتا؟ (نعوذ باللّٰہ مِنْ ذالک)۔ خود آپ غیر مقلدین کے سوال کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کفر میں کوئی شک رہ گیا ہے؟ (نعوذ باللّٰہ مِنْ ذالک)

(۵) کیا ایسی تعلیمات اپنے پیچھے چھوڑ کر صرف اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ کہنے سے چھٹکارا مل جائے گا۔

(۶) آپ کا عقیدہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے خلاف ہے تو کیا ایسا عقیدہ رکھنے والے غیر مقلدین اسلام کے دائرے میں رہے یا نہیں؟

(۷) اگر یہ احادیث غلطی سے لکھ دی گئیں تو کیا آپ مان لیں گے کہ اللہ اور اس کے رسول سے اتنی خطرناک غلطی بھی ہوسکتی ہے؟ (نعوذ باللّٰہ مِنْ ذالک)

(۸) جب سے صحیح بخاری اور بیہقی لکھی گئی ہے تب سے ان کتابوں کی تعلیم دی جارہی ہے تو عوام کو شرک کے راستے پر ڈالنے کا بار کس پر ہوگا؟

(۹) فرقۂ اہل حدیث اور فرقۂ اہلِ قرآن کے عقائد میں کیا فرق ہے؟

(۱۰) اگر آپ اسے بھی خواب کہتے ہیں تو کیا ایسا خواب کتابوں میں لکھ سکتے ہیں جس سے عوام کا عقیدہ مشرکانہ ہو؟

(۱۱) غیر مقلدین غیر علماء اور علماء کا یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے یا نہیں؟

جائزہ: آپ کی معنوی تحریف کی وجہ سے شرک کی تہمت اللہ سبحانہ تعالیٰ پر، حضور ﷺ پر اور محدثین پر عائد ہوتی ہے اور یہ تحریف کا واضح ثبوت ہے جو آپ غیر مقلدین کی گھناؤنی حرکت کا پتہ دیتی ہے۔

ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ جن غیر مقلدین کو اردو کی ایک سادہ سی عبارت پڑھنے اور سمجھنے کی تمیز بھی نہیں ہے وہ جمیع اہل سنت والجماعت پر کفر اور شرک کی تہمت لگاتے ہیں آپ نے جو زیر اکس پیش کیا ہے اس میں صاف صاف لکھا ہے کہ یہ مکتوب گرامی جو شیخ المشائخ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرّہٗ نے اپنے مرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اَعْلَی اللّٰہ مَرَاتِبَہ ' کی خدمت میں لکھا۔ اور نشان زدہ عبارت اسی خط کا حصہ ہے۔ اور آپ سوالات میں تحریر کرتے ہیں ''یہاں پر زکریا صاحب نے خود اپنے جھوٹے ہونے کا اعتراف کیا ہے'' خط حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا تحریر کردہ ہے اور آپ اعتراف بتارہے ہیں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ کا۔ جسے اتنی بھی تمیز نہیں ہے وہ کیسے بڑے ائمہ اور علماء پر اعتراض کرتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ ضَلُّوْا وَ اَضَلُّوْا (گمراہ ہوئے اور گمراہ کیا) کا مصداق ہے۔

حاصل

وسیلہ کی دلیل میں قرآن کریم کی آیات، حضور اکرم ﷺ کی احادیث، صحابہ کرامؓ، تابعین و تبع تابعین کے آثار ''وسیلہ'' کی تائید میں موجود ہیں۔ اس کے مقابلے میں ''وسیلہ شرک ہے'' یا ''وسیلہ نہ لگانا چاہئے'' اس کی دلیل میں کوئی صریح حدیث موجود نہیں ہے۔ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے، جو بلا دلیل ہے۔ اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ وسیلہ مباح ہے۔

وسیلہ کے اقسام:- توسل بالمخلوق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) مخلوق سے دعا اور التجاء کرنا جیسے مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے۔

(۲) مخلوق (زندہ) سے دعا کی درخواست کرنا (یہ بالاتفاق جائز ہے)۔ مردہ سے دعا کی درخواست کے بارے میں اختلاف ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مقبول مخلوق کی برکت سے، اور اس کو جمہور نے جائز کہا ہے۔

''اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مقبول مخلوق کی برکت سے''، اور اس کو جمہور نے جائز کہا ہے۔ لیکن اسے غیر مقلدین شرک اور حرام کہتے ہیں۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''احکام الدعا والوسیلۃ'' از افادات حکیم الامت، مرتب: مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

ایصالِ ثواب

اہل سنت والجماعت:- جمیع اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ایصال ثواب مباح یا مستحب ہے۔

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ ایصال ثواب حرام ہے۔

تعریف:- ایصال ثواب کے معنیٰ ہے ثواب پہنچانا یعنی اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانا۔

ایصال ثواب میں اپنا نیک عمل کسی کو نہیں دیا جاتا ہے (ورنہ اُسے ایصال عمل کہتے) بلکہ نیک عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچنے کی دعا کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اے اللہ! میں نے جو فلاں نیک کام کیا ہے اُس کا ثواب فلاں بندے کو پہنچے۔

شرعی حیثیت:- ایصال ثواب ''مستحب'' ہے۔ایصال ثواب نہ کرنے والوں کو ملامت نہیں کی جاسکتی اور کرنے والوں پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔جو شخص اس کو غلط اور باطل کہے گا اس پر روک ٹوک ضرور کی جائے گی اس کو اس کے غلط عقیدے سے باز رکھنے کی ضرور کوشش کی جائے گی۔

جمیع اہلسنت والجماعت (احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ) کا ایصال ثواب کے جواز و استحباب میں اجماع ہے۔اہل سنت والجماعت کے کسی فرقہ یا ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کا اس میں اختلاف نہیں۔البتہ ایک گمراہ فرقہ ''معتزلہ'' ضرور اس کا قائل ہے کہ ایصال ثواب سرے سے جائز ہی نہیں۔آج کل غیر مقلدین بھی معتزلہ کی طرح ایصال ثواب کے منکر ہیں۔

دلائل

منکرین ایصال ثواب:- جولوگ ایصال ثواب کے منکر ہیں وہ قرآن کریم کی ایک آیت کو اپنا مستدل بناتے ہیں۔اور وہ یہ آیت ہے کہ'' **وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی** ترجمہ:نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہی جس کی اُس نے کوشش کی (سورہ نجم ۳۹)''۔

منکرین ایصال ثواب کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر انسان کو وہی ملے گا جس کی وہ کوشش کرے، دوسرے کی کوشش سے اُسے کچھ نہیں ملے گا۔لہٰذا ثابت ہوا کہ ایصال ثواب وغیرہ ناجائز وحرام ہے۔یعنی منکرین ایصال ثواب اس بات کے قائل ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف صاف اعلان فرمارہا ہے اور وہ بھی کفّار کے سلسلے میں کہ ان کو حضور اکرم ﷺ کی ذات کا نفع خاص طور پر دنیا میں مل رہا ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''**وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ** ''ترجمہ:جب تک آپ اُن میں ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب نہیں دے گا۔اور اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب نہیں دے گا جب تک وہ استغفار کرتے ہیں۔(سورہ انفال آیت ۳۳)

'' **وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی** ''کے سلسلے میں مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت سعی

ایمانی کی طرف مشیر ہے۔یعنی اگر ایک شخص غیر ایمان والا رہے تو کسی ایمان والے کے عمل کا ثواب اُس (غیر ایمان والے) کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔(حوالے:تفسیر کبیر،تفسیر ابوسعود،تفسیر روح المعانی)

جولوگ اس سعی (کوشش) سے مراد سعی ایمانی لیتے ہیں اُن کا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیوں کہ آیت میں للانسان کہا گیا ہے (انسان ایمان والا بھی ہوتا ہے غیر ایمان والا بھی ہوتا ہے)، **للمسلم یا للمؤمن** نہیں کہا گیا۔

منکرین ایصال ثواب نے کچھ آیات اور روایات بطور دلیل پیش کی ہیں۔لیکن بطور دلیلِ انکار ایصال ثواب وہ آیات قابل توجہ نہیں ہیں۔اور کچھ لوگوں نے کچھ روایات کو بھی اس سلسلے میں دلیل بنانے کی کوشش کی ہے۔لیکن یہ کوشش بھی ناقابل اعتناء ہے۔

جمہور اُمت:-ایصال ثواب کے دلائل میں قرآن کریم کی آیات اور کثیر تعداد میں احادیث نیز خیر القرون کا عمل موجود ہے۔جس میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

● سورۂ طور میں ایک جگہ یہ بتاتے ہوئے کہ نیک لوگوں کی اولاد، اگر ان کی پیروو متبع ہو تو اگر چہ وہ ان سے عمل میں کچھ کم ہی ہوں مگر اپنے آباء واجداد کے نیک اعمال کی بدولت، ان کی عزت افزائی کے بطور، جنت میں انہیں لوگوں کا درجہ پائے گی۔ارشاد باری ہے۔**وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ** ۔ترجمہ:اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انکی اولاد نے ایمان میں انکی پیروی کی پہنچا دیا ہم نے ان تک ان کی اولاد کو، اور نہیں گھٹایا ہم نے انکے عمل میں سے کچھ۔یعنی یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ جب اولاد کو آباء واجداد والا درجہ دے دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آباء واجداد کی کچھ نیکیاں کاٹ کر اولاد کو دی گئی ہوں گی۔ اس شبہ کا ازالہ اللہ تعالیٰ نے **وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ** سے کردیا کہ آباء واجداد کی نیکیوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔بلکہ اولاد کو آباء واجداد والا درجہ، مالک ارض وسماء کے بے پایاں فضل وکرم کا نتیجہ ہوگا۔

بہر حال اس آیت کریمہ سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ ایک آدمی کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے، اس میں زندہ اور مردہ کی بھی قید نہیں، حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک کی نیکی کا دوسرے کو فائدہ پہنچنے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کو نفع پہنچایا جارہا ہے وہ فوت ہو چکا ہو، بلکہ زندہ آدمی زندہ کو بھی اپنی نیکی کا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ زندہ کو بھی ثواب بخش سکتا ہے۔

● **وَالَّذِيْنَ جَاءُ وْامِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ**

ترجمہ: اور وہ لوگ جو کہ ان (مہاجرین وانصار) کے بعد آئیں اور یوں دعاء کریں اے ہمارے پروردگار ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں (انصار ومہاجرین) کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

● **حضور ﷺ کی دعائے مغفرت امتی کے لئے:**۔ حضور ﷺ کی دعائے مغفرت کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ آپ ان کیلئے دعا کیجئے آپ کی دعا ان کی تسکین خاطر کا سبب ہے۔ تسکین خاطر کا مطلب ہی یہی ہے کہ حضور ﷺ جس مومن کیلئے دعائے مغفرت کر دیتے تھے اسکی مغفرت ہو جاتی تھی ورنہ اگر مغفرت نہ ہوتی تو تسکین ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس مصیبت میں آدمی گرفتار ہے اگر اس سے نجات نہ ملے تو تسکین خاطر کیسا؟

● حضور ﷺ کا نماز جنازہ پڑھ دینا چونکہ مسلمان میت کیلئے مغفرت کا ذریعہ بن جایا کرتا تھا اسی لئے حضور ﷺ کیسامنے جب کوئی جنازہ لایا جاتا تو آپ دریافت فرماتے کہ یہ قرض دار تو نہیں ہے؟ اگر قرض نہ ہوتا تو آپ نماز جنازہ پڑھتے اور اگر قرضدار ہوتا تو آپ ﷺ صحابہ کرامؓ سے فرما دیتے کہ تم لوگ نماز جنازہ پڑھ دو۔ میں نہیں پڑھوں گا۔ لیکن اگر کوئی دوسرا اس قرضدار میت کا قرض اپنے ذمہ لے لیتا تب حضور ﷺ نماز جنازہ پڑھا دیتے۔

بخاری شریف میں ہے؛

● حضرت سلمہ ابن اکوعؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے

میں ایک جنازہ لایا گیا لوگوں نے عرض کیا حضور ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ دیجئے۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا اس پر قرض ہے؟ لوگوں نے جواب دیا نہیں، پھر حضور ﷺ نے دریافت کیا کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں، اسکے بعد حضور ﷺ نے اسکی نماز جنازہ پڑھی۔ اسکے بعد پھر دوسرا جنازہ لایا گیا تو اسکے متعلق بھی حضور ﷺ نے وہی سوالات کئے، لوگوں نے بتایا کہ اس پر قرض ہے اور اس نے تین دینار چھوڑے ہیں، حضور ﷺ نے اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی، اسی دوران تیسرا جنازہ لایا گیا۔ حضور ﷺ نے اسکے متعلق بھی یہی دونوں سوالات کئے، لوگوں نے بتایا کہ وہ تین دینار کا قرض دار ہے اور مال کچھ بھی نہیں چھوڑا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ہی لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو، حضرت قتادہؓ نے عرض کیا حضور ﷺ اسکے قرض کا میں ذمہ دار ہوں نماز جنازہ پڑھا دیجئے تب حضور ﷺ نے پڑھائی (**بخاری بَابُ اذا احال دين الميت علىٰ رجل جاز ج۱ص۳۰۵**)

احادیث میں کثرت کے ساتھ صدقہ، حج بدل، قربانی، نفلی نماز وروزہ، دعا واستغفار وغیرہ کا ثواب پہنچنا منقول ہے

مردہ کیلئے صدقہ وخیرات

مردہ کی طرف سے اگر صدقہ وخیرات کیا جائے تو اسے اسکا ثواب پہنچتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے؛

● حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کا انکی غیر موجودگی میں انتقال ہوگیا حضرت سعدؓ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میری غیر موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، کیا اگر میں ان کیطرف سے کوئی چیز صدقہ کردوں تو انہیں اسکا فائدہ پہنچے گا، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں، اس پر حضرت سعدؓ نے کہا کہ حضور آپ گواہ رہئے کہ میں نے اپنا باغ ان پر صدقہ کر دیا۔ (بخاری **بَابٌ اذا قال ارضى او بستانى صدقة لله عن امى فهو جائز وان لم يبين لمن ذالک ج۱ص۳۸۶**)

● حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میری ماں کا اچانک انتقال ہوگیا اور وہ کوئی وصیت نہیں کرسکیں اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو صدقہ ضرور کرتیں تو کیا انہیں ثواب ملے گا اگر میں انکی طرف سے صدقہ کردوں، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ (مسلم بَابُ وصول ثواب الصدقات الی المیت ج۲ص۴۱)

مردہ کیلئے قربانی

امام ابوداؤد نے ابوداؤد شریف میں ایک عنوان قائم کیا ہے بَا بُ الْاُ ضْحِیَّةِ عَنِ الْمَیِّتِ (مردہ کی طرف سے قربانی کا بیان) اس عنوان کے تحت درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

● حضرت حنشؒ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ دو مینڈھوں کی قربانی کر رہے تھے میں نے کہا یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اسکی وصیت کی ہے کہ میں انکی طرف سے قربانی کردوں۔ (ابوداؤد بَا بُ الْاُ ضْحِیَّةِ عَنِ الْمَیِّت ج۲ص۳۸۵)

مردہ کا حج بدل

● حضرت فضل بن عباسؓ سے مروی ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے باپ پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن وہ اتنے بوڑھے ہیں کہ سواری پر بھی اچھی طرح نہیں بیٹھ سکتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم ان کی طرف سے حج کرو۔ (ترمذی باب ما جاء فی الحج عن الشیخ الکبیر و المیت ج۱ص۱۱۲)

مردہ کیلئے دعاء واستغفار

مردہ کیلئے دعاء واستغفار کے متعلق بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔

● عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قبر میں مردہ کی مثال ڈوبتے ہوئے فریادی کے مانند ہوتی ہے، وہ ان دعاؤں کا منتظر رہتا ہے جو اسے اسکے باپ، ماں، بھائی،

دوست (یا کسی بھی عزیز) کی طرف سے پہنچے۔ جب وہ دعا اس کے پاس پہنچتی ہے تو وہ اسکے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالی اہل قبور کو زمین والوں کی دعاؤں کی بدولت پہاڑوں کے مانند ثواب عطا فرماتا ہے۔ مردوں کیلئے زندوں کا ہدیہ ان کے حق میں استغفار ہے۔ (بحوالہ: مشکوۃ ج۱ص۲۰۶)

احادیث سے ثابت ہوتا ہیکہ دعا واستغفار وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ (مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ ج۱ص۲۰۶)

● حضرت عبدالرحمٰنؒ اپنے والد علاء بن لجلاج سے نقل کرتے ہیکہ حضرت لجلاج نے اپنے بیٹوں سے کہا: میرے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیتیں پڑھو اسلئے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ وہ اسکے استحباب کے قائل تھے۔ (الطبرانی فی الکبیر ج۹ص۲۲۱ حدیث۴۰۱، مجمع الزوائد، کتاب الجنائز، باب ما یقول عند ادخال ا لمیت القبر ج۳ص۴۴)

احادیث سے ثابت ہوتا ہیکہ دعا واستغفار، نفلی نماز وروزہ، صدقہ، قربانی، حج بدل، وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔

● حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کو مرنے کے بعد اسکے اعمال میں سے جن کا ثواب ملتا ہے وہ علم ہے جس کو دوسروں کو سکھلایا ہو اور اسکی اشاعت کی ہو یا وہ نیک اولاد ہے جس کو وہ چھوڑ گیا ہو یا وہ قرآن کریم ہے جس کا اس نے وارث بنایا ہو یا وہ مسجد جس کو اس نے تعمیر کیا ہو یا کوئی سرائے مسافروں کیلئے بنوادیا ہو یا کوئی نہر جاری کرادی ہو یا اپنی صحت وحیات میں اپنے مال میں سے صدقہ کر گیا ہو۔ (ابن ماجہ باب ثواب معلم الناس الخیر ص۲۱)

تلاوتِ قرآن کا ثواب

جمیع اہلسنت والجماعت جہاں دیگر صورتوں کے ایصال ثواب کے قائل ہیں وہیں قرآن کریم کی تلاوت کے ایصال ثواب کے بھی قائل ہیں۔ یہاں تک کہ متاخرین شوافع نے بھی لکھا ہے کہ مردہ کو تلاوت قرآن کا ثواب پہنچتا ہے۔

مشہور ومعروف اہلحدیث عالم مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسریؒ بھی اسی کے قائل ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں ''قرأۃ قرآن سے ایصال ثواب کے متعلق یہی فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کرکے ثواب میت کو بخشے تو اُس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے بشرطیکہ پڑھنے والا بغرض ثواب بغیر کسی رسم ورواج کی پابندی کے پڑھے۔ (حاشیہ فتاویٰ ثنائیہ ج:۱،ص ۵۳۶)

دوسرے مشہور اہلحدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ خود اگرچہ اِس مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہیں مگر انہوں نے لکھا ہے ''جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ مردہ کو تلاوت قرآن کا ثواب پہنچنے کے قائل ہیں۔ (تحفۃ الحوذی ج ۲،ص ۲۶)

قرآن کریم کی آیات، احادیث کثیرہ اور خیرالقرون کے اعمال سے یہ ثابت ہے کہ دعا، استغفار، نفلی نماز وروزہ، صدقہ، حج بدل، قربانی وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے تو تلاوت قرآن کا ثواب پہنچنے سے کیا مانع (روکنے والا) ہے؟ اگر قرآن کریم کا ثواب مردوں کو نہیں پہنچتا تو نماز جنازہ میں غیر مقلدین کا سورہ فاتحہ پڑھنے کا کیا فائدہ؟

جو شخص تلاوت قرآن کا ثواب نہیں پہنچنے کا مدعی ہے، اُس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ صحیح حدیث پیش کرے، جس میں ہو کہ تلاوت کا ثواب نہیں پہنچتا۔

غیر مقلدین کی تشکیک

تشکیک کہتے ہیں شک پیدا کرنے کے لئے سوالات کرنا اور غیر مقلدین سوالات شک پیدا کرنے کے لئے ہی کرتے ہیں۔

سوال:- اس مرض کے دلدادہ کبھی کسی زندہ کو اپنے ثواب کا ایصال نہیں کرتے اور نہ آج تک اس کا کوئی قائل رہا ہے اور نہ آج تک کسی زندہ نے کسی دوسرے زندہ کو اپنے عمل کا ثواب بخشا ہے۔ (ایصال ثواب قرآن کی نظر میں ص ۲۰)

جواب:- دراصل جب قرآن کریم کی آیات، احادیث کثیرہ اور خیرالقرون کے فعل سے ثابت کردیا جاتا ہے کہ ایصال ثواب مستحب ہے تو اُن کی بنیاد ہی ڈھ جاتی ہے۔ پھر وہ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں کہ کسی طرح عوام کے ذہنوں میں شک باقی رہے۔ اس لئے زبردستی سوالات قائم کرتے ہیں۔ جب غیر مقلدین کے نزدیک ''ایصال ثواب'' فی نفسہٖ ناجائز ہے تو کیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایصال ثواب جب مُردوں کے ساتھ ہو تو جائز اور زندوں کے ساتھ ہو تو ناجائز؟ ایصال ثواب فی نفسہٖ مستحب ہے، چاہے وہ زندوں کے ساتھ ہو یا مُردوں کے ساتھ۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ زندہ مردہ کی طرح عاجز نہیں لہٰذا زندہ لوگ، زندوں کی فکر نہیں کرتے۔ کیوں کہ زندوں کو خود ہی فکر مند رہنا چاہئے، البتہ مُردوں کی فکر کرتے ہیں کیوں کہ مُردہ فکر مند رہ کر بھی کچھ نہیں کرسکتا، لہٰذا وہ ایصال ثواب کا زیادہ مستحق ہے۔ زندوں کی توجہ کا زیادہ حق دار ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں ''جس نے نفل نماز پڑھی، روزہ رکھا یا صدقہ دیا اور اس کا ثواب اپنے علاوہ کسی زندہ یا مردہ کو دے دیا تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اہلسنت والجماعت کے نزدیک انہیں اس کا ثواب ملے گا۔ (البحرالرائق ج ۳ ص ۵۹)

دراصل زندہ اور مردہ کی بحث اس سلسلے میں فضول ہے اور صرف شک قائم رکھنے کی کوشش ہے۔

سوال:- نیکی دوسرے کی طرف سے کی جاسکتی ہے، برائی کیوں نہیں؟

جواب:- منکرین ایصال ثواب کوایسا اشکال پیش کرنے کا حق ہی نہیں ہے کیوں کہ وہ خود بطور دلیل آیت پیش کرتے ہیں اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ترجمہ:- نہیں اٹھائے گا کوئی نفس کسی دوسرے کا بوجھ (سورہ نجم ۔۳۸)۔اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پر کسی دوسرے کا گناہ نہیں لادا جائیگا۔

سوال:- ایک شخص جوفوت ہو چکا ہے، زندگی میں صغائر وکبائر کا مرتکب تھا۔اب اگر اس کے علاوہ اس کو بے شمار قرآن شریف ختم اور دوسرے برکت والے کلاموں کے چندلاکھ پڑھ کر بخشے اور صدقہ وخیرات بہت سا کرے تو کیا اُس شخص کے صغائر وکبائر معاف ہو جائیں گے؟ ایصال ثواب کومستحب کہہ کرمسلمانوں کو بےعملی کی راہ دکھائی جارہی ہے۔

جواب:- قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ گناہ کبیرہ کا کفارہ سوائے توبہ کے کچھ اور نہیں ۔اور اسی طرح کوئی بھی قرض کے ساقط ہونے کا قائل نہیں، خواہ وہ اللہ کا قرض ہو مثلاً نماز وروزہ وغیرہ ......اس پر بھی اتفاق ہے کہ طاعات وحسنات سے کفارہ صغائر کا ہوتا ہے نہ کہ کبائر کا۔(یوں اللہ رحیم وکریم ہے چاہے تو یونہی بخش دے، اس کو کون روکنے والا ہے؟)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۵،ص۴۳۶)

مسند احمد، ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ سبھی میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے ایک مینڈھا ذبح کرتے ہوئے فرمایا: ''عن محمد وامتہ'' ترجمہ: محمد ﷺ کی طرف سے اور امت محمد ﷺ کی طرف سے۔اور دوسری روایت میں ہے ''من محمد وال محمد ومن امۃ محمد ترجمہ محمد ﷺ، آل محمدؐ اور امت محمد ﷺ کی طرف سے'' (ابوداؤد ج۲،ص۳۸)۔آل محمد ﷺ اور امت محمدؐ میں زندہ اور مردہ (قیامت تک کے) سبھی شامل تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے پیغمبر ﷺ کو شریعت زیادہ سمجھتی ہے کہ منکرین ایصال ثواب کو؟ امت کی فکر حضور ﷺ کو زیادہ ہے یا منکرین ایصال ثواب کو؟ کوئی بات کہنے سے پہلے یا لکھنے سے پہلے اور خاص طور سے شریعت کے سلسلے میں اُس بات کو تول لینا چاہئے۔ایسا نہ ہو کہ کسی قول کی وجہ سے دورجہنم میں پھینک دیا جائے (نعوذ باللہ مِنْ ذالک)۔

حاصل

''ایصال ثواب'' کی دلیل میں قرآن کریم کی آیات، حضور اکرم ﷺ کی احادیث، صحابہ کرامؓ اور تابعین وتبع تابعین کے آثار ''ایصال ثواب'' کی تائید میں موجود ہیں۔اس کے مقابلے میں ''ایصال ثواب ناجائز ہے'' اس کی دلیل میں کوئی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے۔صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے، جو بلا دلیل ہے۔اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ ایصال ثواب مستحب ہے۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''مسئلہ ایصال ثواب''مصنف مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری)

نمازِ تراویح

تراویح کی تعریف:- ''سُمِّیَتِ الصَّلٰوۃُ فِی الْجَمَاعَۃِ فِیْ لَیَالِیْ رَمَضَانَ اَلتَّرَاوِیْحُ'' جو نماز جماعت کے ساتھ رمضان کی راتوں میں پڑھی جاتی ہے، اس کا نام تراویح ہے (فتح الباری ج۴ص۱۷۸)۔اور حافظ عبداللہ صاحب ضمیمہ رکعات التراویح میں لکھتے ہیں نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہِ رمضان کی مبارک راتوں میں عشاء کے بعد پڑھی جائے اور یہی قسطلانی ج۳ص۴۸۳ میں بھی مذکور ہے۔

احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ غرض پوری امت محمدیہ تراویح کی نماز کے مسنون ہونیکی قائل ہے سوائے روافض کے۔گویا فی زمانہ تراویح کی نماز کے سلسلہ میں تین مواقف ہیں (۱) روافض سرے سے نمازِ تراویح ہی کا انکار کرتے ہیں (۲) غیر مقلدین بھی نمازِ تراویح کا انکار کرتے ہیں سوائے انکے ایک فرقۂ اہلحدیث کے۔اور فرقۂ اہلحدیث میں بھی دو گروہ ہیں ایک گروہ روزانہ آٹھ رکعات نمازِ تراویح کو مسنون مانتا ہے اور دوسرا روزانہ نماز تراویح کا منکر ہے (۳) احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ جمیع اہلسنت والجماعت روزانہ بیس رکعات نمازِ تراویح کو سنت مانتے ہیں۔

غیر مقلدین کا موقف:- جمہور کے مسالک کے خلاف تقریباً سوا سو سال سے غیر مقلدین کے نزدیک صرف آٹھ رکعات تراویح کی نماز سنت ہے اور آٹھ سے زیادہ بدعت ہے۔اس فرقہ کے

معرض وجود میں آنے کے بعد کچھ عرصہ تک انکے نزدیک بھی بیس رکعات ہی سنت تھی (ملاحظہ ہوفتاویٰ ثنائیہ)۔لیکن بعد میں انہیں جدید انکشاف ہوا کہ ''آج تک جوامت کرتی آئی ہے اور خود ان کا بھی جو عمل تھا وہ غلط تھا، صحیح یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے آٹھ رکعات نماز کی روایت پیش کی ہے (جو تہجد کے لئے ہے) دراصل وہی آٹھ رکعات تراویح سنت ہے۔

جوحضرات ''آٹھ رکعات'' کوتراویح کا نام دیتے ہیں دراصل یہ انکی کم علمی ہے کیونکہ ''ترویحہ'' کہتے ہیں چار رکعات کے بعد آرام کرنے کو۔اسلئے اصطلاحاً ''چار رکعات'' کوترویحہ کہتے ہیں اور آٹھ رکعات کیلئے تثنیہ کا صیغہ آتا ہے یعنی ترویحتان یا ترویحتین۔اور بارہ رکعات یا اس سے زائد کیلئے لفظ ''تراویح'' کا انطباق ہوتا ہے اس لئے قاعدے کے مطابق تراویح تو آٹھ رکعات ہو ہی نہیں سکتی۔

جمہور امت تراویح کی نماز کے مسنون ہونیکی قائل ہے سوائے روافض کے۔گویا غیر مقلدین بھی روافض کی طرح نمازِ تراویح کے منکر ہیں کیونکہ وہ نمازِ تراویح کو الگ کوئی نماز نہیں مانتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ رمضان میں تہجد ہی تراویح ہوجاتی ہے۔یہ انکا ''قیاسِ غلط'' ہے۔اسکی دلیل میں انکے پاس قرآن کریم کی کوئی آیت یا حدیثِ صحیح صریح موجود نہیں ہے۔جب کہ جمیع اہلسنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ ''تراویح'' ایک الگ نماز ہے اور اسلاف کا متوارث عمل چلا آرہا ہے کہ وہ تراویح اور تہجد دونوں کو علاحدہ علاحدہ سمجھتے تھے اور پڑھتے تھے۔مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت فاروق اعظمؓ تراویح کے بعد تہجد کی ترغیب دیا کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ نماز جس سے تم سوجاتے ہو (نماز تہجد) وہ افضل ہے اس نماز (تراویح) سے جو تم پڑھتے ہو۔(صحیح بخاری بَابُ فَضْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ ج۱ص۲۶۹)

(۲) اسی طرح طلق بن علیؓ نے ایک مسجد میں نماز (تراویح) باجماعت پڑھائی پھر اپنی مسجد میں جاکر نماز (تہجد) باجماعت پڑھائی۔(ابوداؤد بَابٌ فِیْ وَقْتِ الْوِتْرِ ج۱ص۲۰۳)

(۳) خود امام بخاریؒ (جن کی روایت کا حوالہ دیکر غیر مقلدین آٹھ رکعات پڑھتے ہیں) کا

عمل یہ تھا کہ رمضان کی رات کے ابتدائی حصہ میں اپنے شاگردوں کو لیکر باجماعت نماز پڑھتے اور ایک قرآن ختم کرتے تھے اور سحر کے وقت اکیلے پڑھتے تھے اور ہر تیسرے دن ایک ختم کرتے۔ (مقدمہ فتح الباری ص۴۸۱)

''اس طرح امت میں تراویح کے بعد تہجد پڑھنا متوارث عمل چلا آرہا ہے یہاں تک کہ فرقہ غیر مقلدین کے بانی میاں نذیر حسین دہلوی بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے (**الحیاۃ بعد المماۃ** ص۱۳۸)۔سب سے پہلے چینیانوالی مسجد لاہور کے غیر مقلد امام عبداللہ چکڑالوی جو بعد میں منکرین حدیث کے بانی بنے انہوں نے ایک رسالہ ''القول الفصیح'' نامی لکھا جس میں تہجد اور تراویح کو ایک نماز قرار دیا۔بعد میں غیر مقلدین نے اس اختلاف کو اپنا مسلک بنالیا اب وہ تہجد کی آٹھ رکعات پڑھ کر اسی کو تراویح اور اسی کو تہجد کہہ لیتے ہیں'' (تجلیات صفدر ج۱ص۲۱۲،۲۱۳)

رکعاتِ تراویح

جمیع اہلسنت والجماعت:- جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک نمازِ تراویح بیس رکعات سنت ہے۔

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کے نزدیک نمازِ تراویح آٹھ رکعات سنت ہے اور آٹھ رکعات سے زیادہ بدعت ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل

آٹھ رکعات تراویح کو سنت ثابت کرنے کے سلسلہ میں غیر مقلدین دو قسم کی روایات پیش کرتے ہیں۔(۱) غیر صریح روایات۔(۲) صریح روایات۔

غیر صریح روایات:- ● حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کی نماز (شبینہ) کیسی ہوتی تھی۔فرمایا رمضان اور اسکے علاوہ گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔پہلے چار رکعتیں پڑھتے۔ان کی طوالت اور خوبی بس کیا پوچھتے ہو پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے

ہیں۔فرمایا عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں۔دل نہیں سوتا۔(صحیح بخاری کتاب الصوم،بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ وَ غَيْرِهٖ ج۱ص۱۵۴،صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، بَابُ صَلٰوةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكْعَاتِ النَّبِيِّ ﷺ ج۱ص۲۵۴)

استدلال پر اعتراضات:- اس روایت کو تراویح کے سلسلے میں بطور استدلال پیش کرنا کئی وجوہ سے قابل قبول نہیں ہے۔کیونکہ۔(۱) یہ روایت امام بخاری کے حوالے سے غیر مقلدین آٹھ رکعات تراویح کیلئے پیش کرتے ہیں جب کہ امام بخاریؒ کا عمل بیس رکعات کا تھا چنانچہ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص۴۸۱ میں ہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:''رمضان المبارک کی رات کے ابتدائی حصہ میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے یہاں ان کے شاگرد جمع ہو جاتے پھر وہ انہیں نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے تھے ایسے ہی ختم قرآن تک سلسلہ جاری رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور سحر کے وقت ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے''۔اسلئے غیر مقلدین کا اس روایت کو تراویح کی دلیل میں پیش کرنا نا قابل قبول ہے۔

(۲) یہ روایت اصل میں تہجد کے بارے میں ہے کیونکہ اسمیں رمضان اور غیر رمضان دونوں کا تذکرہ ہے تراویح حضور ﷺ سے عشاء کے بعد منقول ہے جب کہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تہجد رات کے اخیر حصے میں پڑھنے کی تھی اور آخر میں آپ وتر کرتے تھے۔اور روایت میں یہ الفاظ ہیں''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوْتِرَ'' یعنی حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوتے ہیں'' یہ جملہ اس بات پر دلیل ہے کہ یقیناً یہ نماز تہجد کی تھی۔اگر اس کے برخلاف غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ رمضان میں تہجد ہی تراویح ہو جاتی ہے تو اس کی دلیل میں قرآن کریم کی کوئی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث پیش کریں ورنہ یہ استدلال نا قابل قبول ہے۔

(۳) حضرت عائشہؓ نے رات کی نماز کے بارے میں صحیح روایت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔(صحیح بخاری بَابٌ كَيْفَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ وَكَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ ج۱ص۱۵۳) اس لئے صرف گیارہ پر انحصار کیوں؟

(۴) امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں ایک باب کا عنوان یہ قرار دیا ہے بَابُ عَدَدِ الرَّكْعَاتِ الَّتِيْ يَقُوْمُ بِهَا الْإِمَامُ لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ یعنی ان رکعتوں کی تعداد کا باب جو امام لوگوں کیساتھ رمضان میں پڑھے گا اس باب میں وہ رکعات تراویح کی تعداد بتانے کیلئے بہت سی روایتیں لائے ہیں مگر حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو جو سب سے صحیح اور اعلیٰ درجہ کی ہے،ذکر کرنا تو درکنار اشارہ تک نہیں کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے علم و تحقیق میں بھی اس حدیث کا کوئی تعلق تراویح سے نہیں ہے۔

(۵) یہ حدیث خود غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں چار،چار اور تین رکعات پڑھنے کا معمول ذکر کیا گیا ہے اور غیر مقلدین دو دو رکعات پڑھتے ہیں۔گو یا اس کی خلاف ورزی سنت کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ایسی حالت میں دوسروں پر اس سے حجت قائم کرنا یا کسی دعویٰ کے ثبوت میں اس کو پیش کرنا بالکل خلاف انصاف و دیانت ہے۔اسلئے بطورِ استدلال ہرگز قابلِ قبول نہیں۔

سب سے اہم بات یہ کہ مذکورہ روایت تراویح کے سلسلہ میں غیر صریح ہے اور غیر صریح روایات بطورِ استدلال قیاس کا درجہ رکھتی ہیں اسلئے اس سے''سنت'' ثابت نہیں کی جاسکتی۔

اگر غیر مقلدین اس باب میں دیگر غیر صریح روایات بھی پیش کریں تو وہ صرف''قیاس'' کا درجہ رکھیں گی اسلئے''سنت'' کے استدلال میں نا قابلِ قبول ہونگی۔

صریح روایات:- ● حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک میں آٹھ رکعات (تراویح) اور وتر پڑھائی،جب دوسری رات آئی تو ہم سب مسجد میں جمع ہوئے اور ہمیں امید تھی کہ آپ ﷺ نکلیں گے لیکن آپ ﷺ نہیں نکلے تو ہم مسجد میں صبح تک رکے رہے پھر ہم نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم سب گذشتہ رات مسجد میں جمع تھے اور ہمیں امید تھی کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں گے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے۔(المعجم الصغیر للطبرانیؒ ص۱۹۰،قِيَامُ

اللَّيْلِ كِتَابُ قِيَامِ رَمَضَانَ ص ١٥٥، صحیح ابن خزیمہ جُمَّاعُ اَبْوَابِ ذِكْرِ الْوِتْرِ ج ٢ ص ١٣٨ حدیث ص ١٠٧٠، صحیح ابن حبان کتاب الصلوٰۃ ج ٥ ص ٦٢ حدیث ٢٤٠١)

● حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ (میرے دل میں) ایک رات کے متعلق کچھ ہے یعنی رمضان کی رات کے متعلق، نبی کریم ﷺ نے پوچھا اے ابیؓ وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ ہمارے گھر میں کچھ عورتیں تھیں انہوں نے کہا کہ ہم قرآن پڑھنا نہیں جانتیں لہٰذا ہم آپ کی اقتدا کریں گی، فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو آٹھ رکعات اور وتر پڑھائی آپ ﷺ نے (یہ سن کر) سکوت اختیار فرمایا چنانچہ یہ رضامندی والی سنت ہوگئی۔ (مسند ابی یعلیٰ ج ٣ ص ٣٣٦ حدیث ١٨٠١، مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ، بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَؤُمُّ النِّسَاءَ ج ٢ ص ٧٤)

استدلال پر اعتراضات:- پہلی روایت کے بارے میں صاحب آثار السنن نے لکھا ہے کہ وفی اسنادہ لین۔ اس کی اسناد پر کلام ہے۔

دوسری روایت کے بارے میں حضرت ابی بن کعبؓ کے اس واقعہ کے بارے میں یہی محقق نہیں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ چنانچہ محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ ”رکعات تراویح“ میں تحریر فرماتے ہیں؛

”حضرت ابیؓ کے اس واقعہ کو تراویح سے متعلق قرار دینا محض تحکم اور بالکل بے دلیل ہے، روایت کے کسی ایک لفظ سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ تراویح کا واقعہ ہے بلکہ اسکا گھر کے اندر کا واقعہ ہونا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ وہ تہجد کا واقعہ ہے لہٰذا اس روایت کو تراویح کی آٹھ رکعتوں کے ثبوت میں پیش کرنے سے پہلے لازم تھا کہ اسکا تراویح ہونا روایت کے کسی لفظ سے ثابت کیا جاتا ....تراویح تو بالائے طاق یہی محقق نہیں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے اور جس نے اس واقعہ کی روایت میں ”فی رمضان“ کا لفظ بول دیا ہے وہ اپنی طرف سے اضافہ اور اصل روایت سے ایک زائد بات ہے، جو راوی نے اپنی سمجھ سے بڑھا دی ہے، یعنی اصطلاح محدثین میں ”فی رمضان“ کا

لفظ اس روایت میں مُدرَج ہے، اسکی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کی یہ روایت مسند احمد ج ٥ ص ١١٥ (زیاداتِ عبداللہ) میں موجود ہے اور اس میں رمضان کا قطعاً ذکر نہیں ہے، اور مجمع الزوائد میں ”فی رمضان“ کا اضافہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے رمضان کا نام نہیں لیا تھا عیسیٰ یا اس سے نیچے کا کوئی راوی کہتا ہے کہ اس روایت کا تعلق رمضان سے تھا، لہٰذا جب حضرت جابرؓ نے یہ نہیں کہا، بلکہ نیچے کا کوئی راوی اپنی سمجھ سے اسکا مطلب یہ بیان کرتا ہے تو وہ روایت نہ ہوئی، بلکہ فہم راوی ہوا، جو ہوسکتا ہے کہ صحیح ہو اور ہوسکتا ہے کہ صحیح نہ ہو، بہر حال بحالت موجودہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت جابرؓ نے رمضان کا یہ واقعہ بتایا ہے۔ اب رہی قیام اللیل کی روایت تو اس میں بے شک جَاءَ اُبَيٌّ فِيْ رَمَضَانَ کا لفظ ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ راوی کا تصرف اور ادراج ہے، اسلئے کہ جب سوائے عیسیٰ کے کوئی دوسرا اس واقعہ کا ناقل نہیں ہے، تو دو ہی صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ خود انہی نے تین دفعہ تین طرح بیان کیا، اسلئے قیام اللیل کی روایت میں فی رمضان کے لفظ کا مدرج ہونا ثابت ہوا، دوسری صورت یہ ہے کہ عیسیٰ نے کوئی ایک صورت اختیار کی ہو، یعنی رمضان کہا ہو، یا کچھ ذکر نہ کیا ہو اور نیچے کے راویوں کے تصرفات سے یہ تین صورتیں پیدا ہوئی ہوں تو اس صورت میں فی رمضان کا لفظ اور بھی مشکوک ہو جائے گا، اور وہ حضرت جابرؓ کا تو در کنار عیسیٰ کا بھی بیان قرار نہ پاسکے گا۔“

پہلی اور دوسری دونوں روایات کی اسناد میں ایک راوی ہیں عیسیٰ بن جاریہ۔ وہ راوی دونوں میں مشترک ہیں اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ان پر جرحیں کی گئی ہیں۔ ان جرحوں سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ تراویح کے سلسلہ میں جو صریح روایات آئی ہیں وہ کتنی ہیں اور وہ کن واقعات کی طرف اشارہ کرتی ہیں تاکہ تمام روایات کا حال نظروں کے سامنے رہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ محدثِ جلیلؒ کی رکعاتِ تراویح کا اقتباس پیش کردیا جائے جو درج ذیل ہے؛

محدثِ جلیلؒ حضرت جابرؓ کی پہلی روایت پیش کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ ”اسکے متعلق سب سے پہلے یہ جان لیجئے کہ یہ واقعہ فقط ایک رات کا ہے، اسلئے کہ روایت میں آگے یہ مذکور ہے کہ

جب دوسری رات میں صحابہ مجتمع ہوئے تو آنحضرت ﷺ حجرہ سے برآمد نہیں ہوئے اور میزان الاعتدال میں ''لیلۃ'' ایک رات کی تصریح بھی موجود ہے، دوسری بات یہ معلوم کر لیجئے کہ رمضان میں آنحضرت ﷺ کے مسجد میں نماز پڑھنے اور آپ کیساتھ صحابہ کے شریک ہونیکا ایک واقعہ تو وہ ہے، جو صحیحین وغیرہ میں بروایت حضرت عائشہ ؓ منقول ہے، اس میں تین راتوں میں پڑھنا اور چوتھی رات میں حجرہ سے برآمد نہ ہونا مذکور ہے۔

دوسرا واقعہ وہ ہے جو بروایت حضرت انس ؓ مسلم میں مذکور ہے، اور اسکی نسبت حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے ''وَ الظَّاهِرُ اَنَّ هٰذَا كَانَ فِيْ قِصَّةٍ اُخْرٰى'' یعنی ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسرے قصہ میں ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۸)

تیسری روایت حضرت جابرؓ کی ہے، جو اس وقت زیر بحث ہے اس کی نسبت یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی واقعہ ہے جس کو حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے، اسلئے کہ جابرؓ کے بیان میں صرف ایک رات نماز پڑھنا اور دوسری رات میں نہ آنا مذکور ہے، اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں واقعوں کے ایک ہونے میں تردد کا اظہار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۸)

چوتھی روایت حضرت ابوذرؓ کی ہے جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کا ایک سال رمضان کی تیئیسویں، پچیسویں اور ستائیسویں رات میں مسجد کے اندر باجماعت تراویح پڑھنا بیان کیا ہے، یہ روایت ترمذی و ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔

پانچویں روایت زید بن ثابتؓ کی ہے، جس میں رمضان کی تصریح نہیں ہے، مگر ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی رمضان ہی کا واقعہ ہے۔

چھٹی روایت حضرت نعمان بن بشیر ؓ کی ہے کہ ہم نے رمضان کی تیئیسویں رات میں آدھی رات تک قیام کیا، پھر ستائیسویں کو قیام کیا، تو ہم کو اندیشہ ہوا کہ آج سحری نہ کھا سکیں گے انکے علاوہ اور روایتیں بھی ہیں، غرض رمضان میں آنحضرت ﷺ کی نماز باجماعت کو بہت سے صحابہ بیان کرتے ہیں، مگر ان صحابیوں کے شاگردوں اور راویوں میں سے کوئی ایک شاگرد یا راوی ان

صحابیوں سے ان رکعات کی تعداد نقل نہیں کرتا، جو آنحضرت ﷺ نے ان راتوں میں پڑھی تھیں۔

حضرت جابرؓ سے ان کی حدیث روایت کرنے والا صرف ایک شخص ہے اور وہی ایک شخص حضرت جابرؓ کے واسطہ سے ان رکعات کی تعداد نقل کرتا ہے۔

لہٰذا ویسے تو ہر حدیث کی اسناد میں نظر کرنا اور اس کے رجال کے حالات معلوم کر کے دیکھنا کہ یہ اسناد قابلِ اعتماد ہیں یا نہیں؟ محدثین کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے۔ لیکن اس حالت میں کہ نماز تراویح باجماعت کے واقعہ یا واقعات کے ناقل کئی صحابیوں کے شاگرد ہیں اور ان میں کوئی بھی رکعات کا ذکر نہیں کرتا، ازبس ضروری ہو جاتا ہے کہ حضرت جابرؓ کے راوی کا حال معلوم کیا جائے، جو تنہا رکعات کا ذکر کرتا ہے، اسلئے میں حضرت جابرؓ کے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق رجال کی کتابوں سے ناقدینِ رجال کی تصریحات پیش کرتا ہوں تا کہ یہ فیصلہ ہو سکے کہ اسکی روایت از روئے فنِ حدیث قابلِ اعتماد ہے، یا نہیں؟

عیسیٰ بن جاریہ کا حال: اس راوی کا ذکر حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب وغیرہ میں کیا ہے، اور لکھا ہے کہ امام فنِ جرح وتعدیل یحییٰ بن معین نے اس کی نسبت لکھا ہے ''لَيْسَ بِذَاكَ'' وہ قوی نہیں ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اسکے پاس متعدد منکر روایتیں ہیں، اور امام نسائی، و امام ابوداؤد نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ امام نسائی نے اس کو متروک بھی کہا ہے، اور ساجی و عقیلی نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (یعنی شاذ و منکر ہیں)۔

یہ سات حضرات ہیں جنہوں نے عیسیٰ پر جرح کی ہے، اور انکے مقابل میں صرف ایک امام ابوذرعہ ہیں جنہوں نے عیسیٰ کو ''لَا بَأْسَ بِهٖ'' (اس میں کوئی مضائقہ نہیں) کہا، اور دوسرے ابن حبان ہیں جنہوں نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا عیسیٰ اصولاً مجروح قرار پائے گا، بالخصوص جب کہ عیسیٰ پر جو جرحیں کی گئی ہیں وہ بہت سخت ہیں، چنانچہ امام نسائی و ابوداؤد نے اسکو منکر الحدیث لکھا ہے۔..... (مُنْكَرُ

الْحَدِیْثِ وَصْفٌ فِی الرَّجُلِ یَسْتَحِقُّ بِهِ التَّرْکَ الْحَدِیْثِ ص۱۹۱)یعنی منکرالحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے کہ وہ اس بات کا مستحق ہوجاتا ہے کہ اسکی حدیث ترک کردی جائے (اس سے حجت نہ پکڑی جائے اور قبول نہ کی جائے)''

اس تصریح کے بموجب ازروئے اصل عیسیٰ کی یہ روایت قابلِ قبول نہیں ہوسکتی بالخصوص جب کہ حضرت جابرؓ سے اس بات کو نقل کرنے میں وہ منفرد ہے، دوسرا کوئی اس کا مؤید ومتابع موجود نہیں نہ کسی دوسرے صحابی کی حدیث اس کی شاہد ہے، جابرؓ سے روایت کرنے میں اس کے منفرد ہونے کی دلیل تو یہ ہے کہ امام طبرانی نے عیسیٰ کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ''لَا یُرْوٰی عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اِلَّا بِهٰذَا الْاِسْنَادِ'' (یعنی حضرت جابر سے بجز اس سند کے کسی دوسری سند سے یہ حدیث مروی نہیں ہے)۔(رکعاتِ تراویح ص۲۸)

چونکہ تعداد والی روایت کا مدار عیسی بن جاریہ پر ہے اور عیسی بن جاریہ کے بارے میں ذہبی نے کہا کہ ابن معین نے کہا کہ ان کے پاس مناکیر ہیں، نسائی نے کہا منکرالحدیث ہیں اور متروک ہیں۔ابوزرعہ نے کہا لَا بَأْسَ بِهٖ ابوداؤد نے کہا منکرالحدیث ہیں۔حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا فِیْهِ لِیْنٌ''. (تہذیب التہذیب ج۸ص۱۷۹)

چونکہ تراویح کی رکعات کے بارے میں روایات ''صحیح'' کے درجہ تک نہیں پہنچتیں اور غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح روایات ہی دلیل ہیں اس لئے یہ روایات تراویح کی دلیل میں ناقابل قبول ہیں۔

آثار:- آثار چونکہ غیر نبی کے اقوال وافعال ہوتے ہیں اسلئے غیر مقلدین کیطرف سے بطورِ دلیل ناقابلِ قبول ہیں۔

غرض ''آٹھ رکعات تراویح سنت ہے'' اس دعویٰ کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے اسلئے انکا دعویٰ رد ہے۔

جمہور امت کے دلائل

پہلی دلیل:- ابوبکر ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، اور عبد بن حمید نے اپنے مسند میں اور بغوی نے اپنے معجم میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے سننِ کبریٰ ج۲ص۲۹۶ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ''کَمْ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ مِنْ رَکْعَةٍ'' ج۵ص۲۲۵)

اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واقع ہے اور وہ مجروح راوی ہے، اسلئے اسکی یہ روایت ضعیف قرار دی گئی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے اسی سند سے اور اسی راوی کے ساتھ نماز جنازہ میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو غیر مقلدین ''فرض'' قرار دیتے ہیں، اور اسی سند سے بیس رکعت کے مسنون ہونے پر اعتراض کرتے ہیں۔اس لئے اصولاً اُن کا اعتراض قابل قبول نہیں۔

دوسری دلیل:- امام بیہقی کی سننِ کبریٰ ج۲ص۴۹۶ میں حضرت سائب بن یزیدؓ راوی ہیں، حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان کے مہینہ میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔اور اسی اثر کو امام بیہقی نے قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ طَاهِرِ الْفَقِیْهُ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عُثْمَانَ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ اَخْبَرَ نَا خَا لِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ یَزِیْدُ بْنُ خُصَیْفَةَ عَنِ السَّا ئِبِ بْنِ یَزِیْدَ . کے طریق سے معرفۃ السنن میں بھی روایت کیا ہے۔

ویسے تو غیر مقلدین کا تعلق استدلال کے سلسلہ میں آثار سے نہیں ہے لیکن وہ مغالطہ دینے کیلئے آثار کی بحث بھی درمیان میں لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے بیس رکعات تراویح کا اثر صحیح نہیں ہے۔بلکہ مؤطا امام مالک میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعتوں کا حکم دیا۔ دراصل غیر مقلدین سعید بن منصور کی روایت کے سلسلہ میں بحث کرتے ہیں۔لیکن سعید بن منصور کے اثر کی حقیقت درجِ ذیل ہے۔

حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت کرنے والے محمد بن یوسف ہیں اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور پانچوں کا بیان باہم مختلف ہے۔امام مالکؒ سے بحکم حضرت عمرؓ گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے، یحییٰ قطان سے گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے (حضرت عمرؓ کے حکم کا تذکرہ نہیں ہے)، عبدالعزیز بن محمد سے گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ ابی وتمیم کا)، ابن اسحاق سے تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے، عبدالرزاق کے شیخ داؤد بن قیس سے اکیس رکعتوں کا ذکر ہے بحکم حضرت عمرؓ۔پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کہ کسی ایک طریق کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام طرق میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔جبکہ سائب بن یزید کے ایک دوسرے شاگرد یزید بن خصیفہ ہیں ان کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے یزید کے کل شاگرد بلا اختلاف سائب بن یزید کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔اس طریق سے یہ اثر ''صحیح'' ہے۔اور سننِ سعید بن منصور کی مذکورہ روایت ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابلِ اعتماد نہیں ہے اور ترجیح کے بعد گیارہ کا ثبوت ہی نہیں ہوگا۔اسلئے غیر مقلدین کی یہ ابلہ فریبی لائقِ توجہ ہی نہیں ہے۔اور سنن کبریٰ اور معرفۃ السنن کی بیس رکعات والا اثر قابلِ حجت ہے۔

مزید یہ کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ مبارک میں تراویح کی بیس رکعتوں کا ثبوت تنہا سائبؒ ہی کی روایت سے نہیں ہوتا، بلکہ اسکے علاوہ متعدد روایات سے ہوتا ہے جو درجِ ذیل ہیں۔

(۱) جس کے الفاظ یہ ہیں: حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں تیئیس رکعتیں (مع وتر پڑھتے تھے)۔(مؤطا مع تنویر ج۱ ص۱۳۸، سننِ کبریٰ ج۲ ص۴۹۶، قیام اللیل ص۹۱)

(۲) عبدالعزیز بن رفیع کا اثر ہے، جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے اسکے الفاظ یہ ہیں: (یعنی حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے) چونکہ حضرت ابیؓ کی وفات اکثر لوگوں کے قول کے مطابق عہد فاروقی میں ہوئی ہے، اسلئے یہ بیان بھی عہد فاروقی

سے متعلق ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ''کَمْ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ مِنْ رَکْعَةٍ'' ج۵ ص۲۲۴)

(۳) سعید بن انصاری کا اثر ہے کہ: حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ''کَمْ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ مِنْ رَکْعَةٍ'' ج۵ ص۲۲۳)

(۴) خود حضرت ابیؓ سے روایت ہے: حضرت عمرؓ نے ابیؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو رات کے وقت رمضان میں نماز پڑھایا کرو، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں، اور قرآن خوب اچھا پڑھنا نہیں جانتے لہٰذا کاش تم رات میں پڑھتے، ابیؓ نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین یہ بات پہلے نہیں ہوئی (یعنی ایک امام کے ساتھ سب کا اکٹھا ہو کر پڑھنا) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن یہ اچھا ہے، چنانچہ ابیؓ نے ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں (کنز العمال ج۴ ص۲۸۴ بحوالہ ابن منیع وآثار السنن ج۲ ص۶۰)۔

(۵) محمد بن کعب قرظیؒ کا اثر ہے: حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور قرأت لمبی کرتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے (قیام اللیل ص۹۱)

(۶) زید بن وہب کا اثر ہے: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہم کو رمضان میں نماز پڑھاتے تھے، جب فارغ ہو کر واپس ہوتے، تو ابھی رات رہتی تھی۔اعمش نے کہا کہ وہ (حضرت ابن مسعودؓ) وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے (قیام اللیل ص۹۱)

درج بالا روایات حضرت سائب بن یزید کے اثر کی تائید میں ہیں۔

(مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ''رکعاتِ تراویح'' مصنف محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ ص۳۷...۷۰)

تیسری دلیل:-سننِ بیہقی (ج۲ ص۴۹۶) وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قراء کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھایا کرے، اور وتر حضرت علیؓ پڑھاتے تھے، امام بیہقی اس اثر کو قوی تسلیم کرتے ہیں، اسلئے کہ انہوں نے پہلے شیتر ابن شکل کی نسبت نقل کیا ہے کہ ''وہ حضرت علیؓ کے اصحاب میں تھے، اور لوگوں کو رمضان میں بیس رکعتیں

تراویح کی اور تین وتر کی پڑھایا کرتے تھے،'' اسکونقل کر کے فرمایا کہ اس میں قوت ہے۔(یعنی یہ قوی اثر ہے)۔پھر اسکی دلیل میں مذکورۂ بالا اثر بیہقی نے نقل کیا ہے۔اس عبارت کے آخر میں بیہقی نے یہ بھی تصریح کردی کہ حضرت علیؓ کا یہ اثر دوسرے طریق سے بھی مروی ہے،لہٰذا تنہا بھی یہ اثر قوی تھا،اور اب تو مجموعی طور پر اتنا قوی ہوگیا کہ اس میں کلام کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی۔

(مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو''رکعاتِ تراویح''ص۷۰.....۸۳)

بیس رکعات پر اجماع: خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعات تراویح پر اجماع ہوگیا،اور بلادِ اسلامیہ میں اسی پر عمل قرار پا گیا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس پر اجماع ہوگیا،غیر مقلدین اسکے خلاف ایک روایت بھی پیش نہیں کر سکتے جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں کسی نے اس کے خلاف کیا یا کہا ہو۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ اور خلیفۂ رابع حضرت علیؓ کے دور میں بھی بیس رکعات پر عمل رہا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمہور امت کے نزدیک بیس رکعات تراویح ''سنت'' ہے تو پھر خلفاءِ راشدین کے عہد کے آثار کو'' سنت'' کیلئے کیوں دلیل بنایا گیا؟اس کا جواب یہ ہے کہ حضورﷺ کی حدیث ''عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ یعنی تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت'' کے تحت بیس رکعات تراویح بھی سنت تسلیم کی گئی۔کیونکہ حضورﷺ نے خلفاءِ راشدین کے طریقہ کو بھی سنت کہا ہے۔مزید یہ کہ اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہوگیا۔

پس بیس رکعات تراویح کا جمہور امت کا موقف بھی ثابت ہوگیا۔**فا الحمد لله علیٰ ذا لک**

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''رکعاتِ تراویح''مصنف حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ)

اسلام میں عورتوں کی نماز

اہل سنت والجماعت کا اجماع: ۔خیر القرون سے حدوث اہل حدیث (فرقہ اہل حدیث کے پیدا ہونے) تک جمیع اہل سنت والجماعت کا معمول تھا کہ؛

(۱)"احادیث "اور" تعامل سلف" میں نماز میں عورتوں کیلئے جو فرق وارد ہوا ہے عورتیں ہمیشہ سے ان تمام فَرقوں کیساتھ نماز پڑھتی تھیں۔ائمۂ اربعہ کے مسالک یہی ہیں،فقہائے امت کا اسی پر اجماع ہے۔بلکہ فرقۂ اہل حدیث کے پیدا ہونیکے کچھ عرصہ بعد تک خود ان غیر مقلدین کی عورتیں بھی انہیں فَرقوں کیساتھ نماز پڑھتی تھیں (ملاحظہ ہوں عورتوں کی نماز کے سلسلہ میں غیر مقلدین علماء کے ابتدائی فتاوے)

(۲) خیر القرون کے بعد سے حدوث اہل حدیث تک کوئی عورت مسجد میں نماز کیلئے نہیں جاتی تھی اور نہ ہی کسی محدّث،کسی فقیہ یا کسی عالم نے اسکا مطالبہ کیا کہ عورتیں مساجد میں نماز کیلئے جائیں (اس وقت بھی وہ تمام روایات احادیث کی کتابوں میں موجود تھیں جنکے حوالے دے دے کر آج غیر مقلدین مطالبہ کرتے ہیں)۔بلکہ حدوث اہل حدیث کے کچھ عرصہ بعد تک خود غیر مقلدین کی مساجد میں بھی عورتوں کا داخلہ ممنوع تھا۔

(۳) خیر القرون کے بعد سے حدوث اہل حدیث تک جمعہ کی نماز کیلئے مساجد میں اور عیدین کی نماز کیلئے عیدگاہ میں عورتیں حاضر نہیں ہوتی تھیں اور نہ کوئی اسکا مطالبہ کرتا تھا۔بلکہ حدوث اہل حدیث کے کچھ عرصہ بعد تک خود انکی مساجد اور عیدگاہوں میں جمعہ اور عیدین کیلئے عورتوں کی حاضری ممنوع تھی۔

گویا خیر القرون کے بعد سے حدوث اہل حدیث تک (تقریبا ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک)مذکورہ امور پر جمیع اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور حضورﷺ کا فرمان ہے کہ''میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی''۔

جدید انکشافات

اپنی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد غیر مقلدین کو جدید انکشافات ہوئے کہ ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک امت جو کرتی آئی ہے اور خود ان (غیر مقلدین) کا بھی جو عمل تھا وہ غلط تھا۔ صحیح یہ ہے کہ

(۱) عورتوں اور مردوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔

(۲) جمعہ اور عیدین کیلئے مساجد اور عیدگاہوں میں عورتوں کی حاضری ضروری ہے۔

(۳) فی زمانہ (اس پُرفتن دور میں بھی) عورتوں کو نماز کیلئے مساجد میں جانا چاہئے۔

درج بالا جدید انکشافات کی حقیقت کیا ہے؟ تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

عورتوں اور مردوں کی نماز کا فرق

احناف: عورت اپنے سجدہ میں پست رہے گی اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے چپکائے رہے گی کیونکہ اس کے حق میں یہی زیادہ چھپانے والا ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۹۳)

مالکیہ: امام دارالہجرۃ حضرت مالک بن انسؒ جن کے مسلک کی بنیاد اکثر اہل مدینہ کے تعامل پر ہوتی ہے، ان کا مسلک ہے۔ مرد کیلئے حالت سجدہ میں اپنے پیٹ کو رانوں سے علاحدہ رکھنا مطلوب ہے، اسی طرح کہنیوں، گھٹنوں، بازوؤں اور پہلوؤں کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا اور کشادہ رکھنا مطلوب اور مندوب ہے۔ لیکن عورت اپنے تمام احوال میں سمٹی رہے گی۔ (اَلشَّرْحُ الصَّغِیْرُ عَلیٰ أَقْرَبِ الْمَسَالِکِ اِلَی الْاِمَامِ مَالِکٌ: ۱/ ۳۲۸. ۳۲۹)

شوافع: حضرت امام محمد ابن ادریس الشافعیؒ کی تصنیف جو ان کے تلمیذِ رشید امام مزنیؒ کی روایت سے منقول ہے اور فقہِ شافعی کے مستند ترین مأخذ میں شمار کی جاتی ہے اس میں عورتوں کے طریقۂ نماز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چھپ کر رہنے کا ادب سکھلایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی عورتوں کو یہی ادب سکھلایا ہے اور میں عورتوں کیلئے حالتِ سجدہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنے بدن کے ایک حصہ کو دوسرے

حصہ سے ملا لے اور اپنے پیٹ کو ران سے چپکا لے اور اس طرح سجدہ کرے جو اس کیلئے زیادہ چھپانے والا ہو۔ اسی طرح عورت کیلئے رکوع، جلسہ اور پوری نماز میں یہی پسند کرتا ہوں کہ عورت اس ہیئت پر رہے جو اس کیلئے سب سے زیادہ ساتر (چھپانے والی) ہو۔ اور میں پسند کرتا ہوں کہ رکوع سجدہ میں اپنی چادر کو کشادہ رکھے تاکہ کپڑوں سے اسکے بدن کے خدوخال نمایاں نہ ہوں۔ (کتاب الام: ص ۸۲/۸۳)

حنابلہ: فقہ حنابلہ کی مشہور کتاب زَادُ الْمُسْتَقْنِعِ اور اس کی شرح "اَلسَّلْسَبِیْلُ فِیْ مَعْرِفَةِ الدَّلِیْلِ لِفَضِیْلَةِ الشَّیْخِ صَالِحِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ الْبُلَیْهِیِّ" طبع ۱۴۰۱ھ میں مردوں کی نماز کا طریقہ بیان کرنیکے بعد فرماتے ہیں: عورت بھی مرد کی طرح ہے لیکن عورت اپنے آپ کو سمیٹے رہے گی اور اپنے دونوں پیر دائیں جانب نکال لے گی۔ (زَادُ الْمُسْتَقْنِعِ ص ۱۱۹)

غیر مقلدین: ان کے نزدیک "عورتوں اور مردوں کی نماز یکساں ہے" نیز عورتوں اور مردوں کی نماز کے درمیان کوئی فرق نہیں"

مذکورہ بالا جملے "قیاس" ہیں، قرآنِ کریم کی کوئی آیت یا حدیث نہیں ہے۔

"اسلام کے احکامات عام طور پر عورتوں اور مردوں کیلئے یکساں ہیں" (یہ اصول ہے جو قیاس کی حیثیت رکھتا ہے)۔ مگر وہ احکامات مستثنیٰ ہیں جن میں فرق بتایا گیا ہے اسی طرح مردوں اور عورتوں کی نماز یکساں ہے۔ سوائے ان امور کے جن میں احادیث سے استثناء آیا ہے (یعنی فرق بتایا گیا ہے)۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے "فَاِنَّ الْمَرْأَةَ لَیْسَتْ فِیْ ذٰلِکَ کَالرَّجُلِ. ترجمہ:۔ کیونکہ عورت کا حکم اس بارے میں مرد جیسا نہیں ہے۔ (مراسیل ابوداؤد ص ۸)"

اگر عورت اور مرد کی نماز کا فرق احادیث میں بتایا گیا ہو تو احادیث کو ترجیح دی جائیگی قیاس پر (اگرچہ احادیث ضعیف ہوں)۔ ہمارے نزدیک ضعیف حدیث بھی حجت ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک قیاس حجت نہیں ہے پھر بھی وہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔

نماز جمعہ عورت، بچہ، مریض ومسافر پر فرض نہیں

حضرت طارق بن شہابؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ جماعت کیساتھ ہر مسلمان پر فرض ہے ثابت شدہ ہے۔ سوائے چار لوگوں کے ؛ یعنی غلام، عورت، بچہ، بیمار کے (ابوداؤد شریف ج۱ص۱۵۳، سنن دار قطنی ج۲ص۳، طبرانی کبیر ج۸ص۳۲۱ حدیث نمبر۸۲۰۶، سنن کبریٰ بیہقی ج۳ص۱۷۲، مستدرک حاکم ج۱ص۴۲۵)

حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ پانچ لوگوں پر جمعہ فرض نہیں عورت، مسافر، غلام، بچہ اور اہل دیہات۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط، کنز العمال ج۷ص۷۲۲ حدیث نمبر۲۱۰۹۶)

حضرت محمد بن کعب قرضیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ چار اشخاص ایسے ہیں جن پر جمعہ فرض نہیں ہے عورت، غلام، مسافر اور مریض (امام محمد کتاب الآثار ص۳۵)

حضرت محمد بن کعب قرضیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو اس پر جمعہ کے روز نماز جمعہ فرض ہے سوائے عورت، بچہ، غلام اور بیمار پر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ص۶۵، ''**فیمن لاتجب علیه الجمعة**''، المعرفہ للبیہقی ج۴ص۳۱۲، مصنف عبدالرزاق ج۳ص۱۷۳)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو اس پر جمعہ کے روز نماز جمعہ فرض ہے سوائے مریض، مسافر، عورت، بچہ اور غلام (سنن دار قطنی ج۲ص۳)

جمعہ کی حاضری: جب عورتوں پر ''جمعہ کی نماز'' فرض ہی نہیں ہے تو جمعہ کی نماز کیلئے فی زمانہ ان کی ''مساجد میں حاضری'' کیوں لازمی ہے؟

عیدگاہ میں حاضری:- غیر مقلدین کے نزدیک مَردوں پر بھی ''نماز عیدین'' واجب نہیں ہے، پھر عورتوں پر کیوں واجب ہوگی؟ اور جب عورتوں پر ''عیدین کی نماز'' واجب نہیں ہے تو فی زمانہ ان کی عیدگاہ کی حاضری کیوں لازمی ہے؟

عورتوں کا نماز کے لئے مسجد میں جانے کا حکم

فی زمانہ جب یہ بحث چھڑتی ہے کہ عورتیں گھروں میں نماز پڑھیں مساجد میں نہ جائیں تو غیر مقلدین، حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں (جو کہ خیر القرون تھا) عورتوں کے مسجد میں جانے کی روایات پیش کرتے ہیں۔ خیر القرون میں عورتیں نماز کیلئے مساجد میں جاتی تھیں اس سے کسی کو انکار نہیں۔ پھر اسکی دلیل میں روایات پیش کرنا تحصیل حاصل (جس کو تسلیم کیا جاتا ہے اسے تسلیم کرانا) ہے۔ بعد میں عورتوں کے حالات اور فتنوں کے اندیشے کے سبب صحابۂ کرامؓ نے عورتوں کو مساجد میں جانے سے روک دیا۔ نکتۂ بحث یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے عورتوں کو مساجد میں جانے سے جو روکا تھا وہ صحیح ہے کہ نہیں اور آج کے زمانہ میں صحابۂ کرامؓ کے اس فیصلے پر عمل کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

دراصل حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کا نماز کیلئے مساجد میں جانا ''مباح'' یا ''مستحب'' فعل تھا، واجب نہ تھا۔ مردوں کیلئے اذان سنکر جماعت کیلئے مسجد میں جانا واجب ہے۔ لیکن عورتوں کیلئے یہ حکم تھا کہ وہ مسجد میں جانے کیلئے اجازت طلب کریں اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ''عورتوں کی نماز انکے گھروں میں زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے''۔ ان تمام وجوہات کی بناء پر خیر القرون میں بھی عورتوں کا مسجد میں جانا یا تو مباح تھا یا مستحب۔ اصول یہ ہے کہ جو مباح یا مستحب ذریعہ بنتا ہو کسی معصیت کا وہ ممنوع ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ ایک فعل فی نفسہٖ مباح ہو مگر دوسری حیثیت سے اسمیں قبح (خرابی) آجائے اور وہ حیثیت افضاء الی المعصیت ہے (یعنی گناہ کا ذریعہ بن جاتا ہے)۔ التبلیغ ص۲۳۔ خود حضور اکرم ﷺ سے فتنوں کے اندیشوں سے ''مباح'' بلکہ ''مستحب'' امر کا ترک کرنا ثابت ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں قصہ آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حطیم کو بیت اللہ کے اندر داخل کرنے کا ارادہ فرمایا مگر اس خیال سے کہ جدید الاسلام کے قلوب میں خلجان پیدا ہوگا اور خود بناء کے اندر داخل ہونا امر ضروری نہ تھا اسلئے آپ نے اس قصد کو ملتوی فرمادیا اور تصریحاً یہی وجہ ارشاد فرمائی۔ حالانکہ

بناء کے اندر داخل فرمادینا مستحسن تھا مگر ضرر عوام کے اندیشہ سے اس کو ترک فرمادیا۔(اصلاح الرسوم ص ۱۱۵)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی امر کو ایک زمانہ میں جائز کیا جائے کیونکہ اسوقت اسمیں وجوہِ کراہت کی نہیں تھیں اور دوسرے زمانہ میں ناجائز کہہ دیا جائے اسلئے کہ اس وقت کراہت کی علت پیدا ہوگئی۔ یا ایک مقام پر اجازت دی جائے اور دوسرے مقام میں منع کردیا جائے۔

مثال:۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مساجد میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی کیونکہ اس وقت فتنہ کا احتمال نہ تھا اور صحابہ کرامؓ نے بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ممانعت فرمادی۔ حدیث وفقہ میں اسکے بے شمار نظائر (مثالیں) مذکور ہیں (اصلاح الرسوم ص ۱۱۶)۔

دھیان دینے کی بات یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے بنفس نفیس مشاہدہ کیا تھا کہ خیر القرون میں عورتیں مساجد میں نماز پڑھتی تھیں اور عورتوں کے مسجد میں نماز پڑھنے کی روایت صحابۂ کرامؓ کے ذریعہ سے ہی امت تک پہنچی اور یہ روایات بھی انکے ذریعہ ہی پہنچی کہ جب عورتیں مسجد میں جانیکی اجازت چاہیں تو انہیں اجازت دے دو۔ ایسا تو نہیں تو سکتا کہ صحابۂ کرامؓ اجمعین حضور اکرم ﷺ اور اسلام کی نافرمانی کریں (**نعوذ باللہ من ذلک**)۔ پھر اسکے بعد جن راویوں کے ذریعے مذکورہ روایات پہونچیں وہ بھی عورتوں کے مساجد میں جانیکی ممانعت کے حامی تھے۔ جن محدثین نے اپنی کتابوں میں ان روایات کو جمع کیا کسی نے اپنی کتاب میں اس ممانعت کیخلاف ایک جملہ تک نہیں لکھا۔ یہاں تک کہ غیر مقلدین کے جو فرقے آج ان روایات کا حوالہ دے دے کر عورتوں کے مسجد میں جانیکا مطالبہ کرتے ہیں انکے فرقے کا عمل کچھ عرصہ تک ممانعت کا ہی تھا۔ اہل سنت والجماعت کا ایک ہزار سال سے زائد عرصہ سے اس پر اجماع ہے۔ لیکن غیر مقلدین کو یہ جدید انکشاف ہوا کہ آج تک جو امت کرتے آئی ہے اور جس پر خود انکا بھی عمل تھا وہ غلط تھا آج جو ان پر جدید انکشافات ہوے ہیں وہ صحیح ہیں۔ اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

● عورتوں پر پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں کہیں حکم نہیں دیا گیا کہ پہلے اجازت طلب کرلو اس کے بعد فرض نماز پڑھو، صاحب نصاب عورتوں پر زکوٰۃ فرض ہے کہیں حکم نہیں ہے کہ پہلے اجازت لو اس کے بعد زکوٰۃ ادا کرو، عورتوں پر پردہ واجب ہے کہیں حکم نہیں ہے کہ پہلے اجازت طلب کرو اس کے بعد پردہ کرو۔ لیکن نماز کے لئے مسجد میں جانے کی شرط ہے کہ پہلے اجازت طلب کرو اس کے بعد مسجد میں جاؤ۔ چنانچہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی عورتوں کو حکم تھا کہ وہ مساجد میں جانے کی اجازت طلب کریں۔ اسی لئے حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت چاہے تو اسے نہ روکو۔'' (صحیح بخاری جلد نمبر ۱، ص ۱۲۰، صحیح مسلم ج ۱، ص ۱۸۳ وغیرہ)۔ معلوم ہوا کہ اجازت کی شرط فتنوں سے احتیاط ہی تھی اور حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی عورتوں کا مساجد میں جانا فرض یا واجب نہ تھا بلکہ صرف ''مباح'' تھا۔

● عورتوں کی حالت میں تبدیلی کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین نے عورتوں کو مساجد میں جانے سے روک دیا اور اس پر صحابہ کرامؓ اور امت کا اجماع ہوگیا۔ چنانچہ عورتوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے اس کی شکایت فرمائی۔ تو عورتوں کی سردار حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس اجماع کی تائید کرتے ہوئے فرمایا ''عورتوں نے جو زیب وزینت، آرائش وزیبائش کا طریقہ ایجاد کیا ہے اگر حضور ﷺ اسے ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں سے ضرور روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔'' (صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۱۹)۔ گذشتہ شریعتوں میں بھی عورتوں کی حالت میں تبدیلی کی وجہ سے عبادت گاہوں میں جانے سے روک دیا گیا تھا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے پھر اس پر اتنا واویلا کیوں؟

● ۱) حضور ﷺ کا زمانہ خیر القرون تھا، ۲) فتنوں سے محفوظ تھا، ۳) رسول مقبول ﷺ بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ وحی نازل ہوتی تھی۔ نئے نئے احکام آتے تھے، ۴) نماز وغیرہ کے مسائل سیکھنے کی ضرورت تھی، ۵) اور سب سے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنیکا شرف حاصل ہوتا تھا۔

ان تمام باتوں کے باوجود عورتیں نماز باجماعت پڑھنے کی مکلّف نہیں تھیں انہیں صرف اجازت تھی اور وہ بھی مشروط تھی۔یعنی ان کیلئے مسجد میں جانے کا حکم عام نہیں تھا ان کیلئے لازم تھا کہ وہ مسجد کی نماز کیلئے اجازت لیں۔اسی لئے حدیث میں حضورﷺ نے فرمایا ''کہ جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانیکی اجازت چاہے تو اسے نہ روکو'' (صحیح بخاری ج ا ص ۱۲۰،صحیح مسلم ج ا ص ۱۸۳ وغیرہ)۔اجازت کی شرط فتنوں سے احتیاط ہی تھی۔خلیفۂ راشدِ ثانی حضرت عمر فاروق (جن کے حق میں بھی یہ حدیث صادق آتی ہے ''عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ ..... یعنی تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاءِ راشدین کی سنت'') کا دور آیا اور عورتوں کی حالت میں تبدیلی دیکھ کر آپ نے ان عورتوں کو جو مسجد میں آتی تھیں روک دیا۔تمام صحابہ کرام نے اس بات کو پسند فرمایا کسی نے مخالفت نہیں کی۔البتہ بعض عورتوں نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اسکی شکایت فرمائی تو حضرت اُم المومنینؓ جو مزاجِ نبوت کی پہچاننے والی تھیں اور اسرار شریعت سے واقف تھیں انہوں نے بھی فیصلہ فاروقی سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا۔''ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے جو (زیب و زینت آرائش وزیبائش کا) طریقہ ایجاد کیا ہے اگر رسول اللہﷺ اسے ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں سے ضرور روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا'' (صحیح بخاری ج ا ص ۱۱۹،صحیح مسلم ج ا ص ۱۸۳،ابوداؤد ج ا ص ۸۴،مؤطا امام مالک ص ۶۹،مسند بزار ج ۳ ص ۱۴۹)۔امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ام المومنینؓ کے اس اثر میں جسکو امام بخاریؒ نے نقل کیا اس بات کی دلیل ہے کہ جب عورتوں میں بدعات پیدا ہو جائے تو پھر انکا مسجدوں میں جانا درست نہیں ہے (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۲ ص ۱۵۹)۔احناف،مالکیہ،شوافع،حنابلہ غرض جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک عورتوں کا مساجد میں نماز کیلئے جانا مکروہ تحریمی ہے۔خلیفۂ راشد ثانی نے اور اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے تنبیہ فرمائی اور حضرات صحابہ کرامؓ اجمعین،تابعین عظام،اور فقہاءِ امت نے اس پر اتفاق کیا۔عورتوں کو مساجد میں جانے سے روکا گیا۔اور اس پر اجماعِ امت

ہو گیا۔علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔کیونکہ انکے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ سبب ہے حرمت کا۔اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے۔اس اجماع امت پر ہر دور میں عمل باقی رہا۔

● احناف،مالکیہ،شوافع،حنابلہ غرض جمیع اہل سنت والجماعت کے نزدیک اب عورتوں کا مساجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔اجماعِ صحابہؓ وامت کے بعد سے حدوثِ اہل حدیث (فرقہ غیر مقلدین کے پیدا ہونے تک) کوئی عورت مسجد میں نماز کیلئے نہیں جاتی تھی۔(اس وقت بھی وہ تمام روایات،احادیث کی کتابوں میں موجود تھیں جن کے حوالے دے دے کر آج غیر مقلدین مطالبہ کرتے ہیں۔) بلکہ ان کے پیدا ہونے کے کچھ عرصہ بعد تک خود ان کی مساجد میں بھی عورتوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ہزار سال سے زائد عرصہ تک امت جو کرتی آئی ہے اور خود ان کا بھی جو عمل تھا پھر عورتوں کیلئے مساجد میں جانے کا روافض کی طرح یہ جدید مطالبہ کیوں؟

● روافض کے طرز عمل کی طرح،مقلدین کی ضد میں غیر مقلدین،عورتوں کو ''مساجد میں نماز'' کے نام پر گھروں سے نکالتے ہیں اور شیاطین کو ان کے پیچھے لگاتے ہیں (کیوں کہ حدیث میں آیا ہے ''عورت سراپا چھپانے کی چیز ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے۔ترمذی ج ا ص ۲۲۲) اور ان عورتوں کو اپنے رب سے دور کر دیتے ہیں (اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے ''عورت جب تک اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔'' صحیح ابن خزیمہ،صحیح ابن حبّان بحوالہ الترغیب للمنذری ج ا ص ۱۳۶) اور اس کے بعد بھی اپنی مساجد میں انہیں نماز کا موقع نہیں دیتے بلکہ انہیں ایک الگ حجرے میں رکھتے ہیں یہ ناانصافی کیوں؟

● حضورﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔ان کی صفیں آخر میں مردوں،بچوں کے بعد لگا کرتی تھیں۔(صحیح بخاری باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال ج ا ص ۱۲۰،صحیح مسلم باب جواز الجماعۃ النافلۃ و الصلوۃ علی حصیر و خمرۃ و ثوب

وغیرھا من الطاھرات ج۱ ص۲۳۴،نسائی ''المنفرد خلف الصف ''ج۱ص۱۳۹،ترمذی باب ما جاء فی الرجل یصلی ومعہ رجل و نساء ج۱ص۵۵،ابوداؤد باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون ج۱ص۹۰،مسند احمد ج۳ص۱۶۴) جب غیر مقلدین کے نزدیک عورتوں کا مسجد میں جانا ضروری ہے اور حضور ﷺ کے زمانہ میں ان کی صفیں مساجد ہی میں لگا کرتی تھیں تو عورتوں کیلئے الگ حجرہ بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔خود غیر مقلدین کے اصولوں کے مطابق جب حضور ﷺ نے عورتوں کیلئے الگ حجرہ نہیں بنایا،تو یہ کون ہوتے ہیں الگ حجرہ بنانے والے۔ خود ان کی منطق کے مطابق کیا یہ حضور ﷺ سے زیادہ محتاط ہیں؟(نعوذ باللہ من ذالک) آپ ﷺ کے زمانہ کے طریقہ کار میں تبدیلی کیوں؟

● ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ام حمیدؓ نبی ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم میرے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق رکھتی ہو لیکن تمہارے لئے گھر کے حجرے میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے صحن کی نماز سے،اور صحن کی نماز برآمدہ کی نماز سے بہتر ہے اور محلّہ کی مسجد کی نماز میری مسجد (مسجد نبوی) میں ادا کرنے سے بہتر ہے حضرت ام حمیدؓ نے یہ ارشاد گرامی سن کر اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ ایک جگہ نماز کیلئے گھر میں اندرونی کوٹھری میں جو نہایت تاریکی میں تھی بنادی گئی یہ اس میں نماز پڑھتی رہیں یہاں تک کہ خدا سے جاملیں (یعنی گھر ہی میں نماز پڑھتی رہیں مسجد میں نہیں گئیں)۔(مسند احمد ج۶ ص۳۷۱،الترغیب والترہیب ج۱ص۲۲۵،مجمع الزوائد ج۲ص۳۳، ابن خزیمہ،ابن حبان وغیرہ)۔ایک اور حدیث میں ہے حضور ﷺ نے عورتوں کے حق میں فرمایا بُیُوْتُھُنَّ خَیْرٌ لَّھُنَّ یعنی ان کے گھر ان کیلئے زیادہ بہتر ہیں (مستدرک حاکم ج۱ص۳۲۷، ابوداؤد باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد ج۱ص۸۴)۔روایات میں ہے کہ خَیْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُیُوْتِھِنَّ یعنی عورتوں کیلئے بہترین مساجد ان کی کوٹھریوں کا اندرونی

مکان ہے (مسند احمد ج۶ ص۳۷۱،بیہقی،کنز العمال ج۷ص۶۷۶،مستدرک حاکم ج۱ص ۳۲۸)۔جبکہ اس کے بالمقابل کسی حدیث میں موجود نہیں ہے کہ عورتوں کیلئے مسجد میں نماز کا ثواب گھر کی نماز کے ثواب سے زیادہ ہے۔پھر ایسے پرفتن دور میں جبکہ جان و مال اور عزت بھی محفوظ نہیں ہے،اور عورتیں مسجد میں جانے کی مکلّف بھی نہیں ہیں پھر مساجد میں جانے کا مطالبہ کرکے اور ان کی نماز کا ثواب کم کرکے ان پر ظلم کی کوشش کیوں؟

جمعہ کی دونوں اذانیں مسنون ہیں بدعت نہیں

جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے دو اذانیں دی جاتی ہیں ایک تو وقت ہونے پر اور دوسری جب امام منبر پر بیٹھتا ہے اس وقت۔دونوں اذانیں مسنون ہیں۔خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانہ سے آج تک جمہور امت کا اس پر متواتر عمل رہا ہے۔جب فرقۂ غیر مقلدین (تقریباً سوا سو سال پہلے) معرض وجود میں آیا تب بھی کچھ عرصہ تک یہ دونوں اذانیں مسنون تھیں۔لیکن کچھ عرصہ بعد انہیں جدید انکشاف ہوا کہ آج تک جس پر امت عمل کرتے آئی ہے (اور جس پر غیر مقلدین خود کچھ عرصہ تک عمل کرتے آئے ہیں) وہ بدعت ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔

اہل سنت والجماعت:-ان کے نزدیک جمعہ کی دونوں اذانیں مسنون ہیں۔

غیر مقلدین:-ان کے نزدیک جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے۔

غیر مقلدین کے فتاوے

''چنانچہ مولوی محمد صاحب جونا گڑھی لکھتے ہیں:حضور ﷺ کے زمانہ اور آپ کے بعد دو خلیفوں کے زمانہ میں تو اس دوسری اذان کا وجود بھی نہ تھا ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایجاد ہوئی،جو وقت معلوم کرنے کیلئے زوراء بازار کی بلند جگہ کہلوائی جاتی تھی،نہ کہ مسجد میں پس ہمارے زمانہ میں مسجد میں جو دو اذانیں ہوتی ہیں وہ صریح بدعت ہیں،اور کسی طرح جائز نہیں (فتاویٰ ستاریہ ج۳ص۸۵)''۔

''مولوی عبدالرحمٰن صاحب مدرس میان صاحب دہلوی رقم طراز ہیں اب مسجد میں دو اذانیں کہنا بدعت ہے۔'' (فتاویٰ ستاریہ ج۳ص۸۷)

''جماعت غرباء اہلحدیث کے امامِ اول عبدالوہاب صاحب صدری کے سوانح نگار ابومحمد میاں والی لکھتے ہیں: مساجدِ احناف واہلحدیث میں جمعہ کی دو اذانیں ہوا کرتی تھیں، جیسا کہ آج کل احناف کے یہاں مروج ہے۔ مولانا موصوف (عبدالوہاب صاحب) نے پہلی اذان جو مسجد میں خطبہ سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے ہوتی تھی اسے موثقہ دلائل سے بدعت ثابت کر کے موقوف کا فتویٰ صادر فرمایا اور دوسری اذان عِنْدَ جُلُوْسِ الْاِمَامِ عَلَى الْمِنْبَرِ کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا آج اکثر مساجدِ اہلحدیث میں اس طریقۂ نبوی پر عمل ہو رہا ہے (مجموعۂ رسائل مکمل نماز وہدایۃ البنی ص۲۱)''

جمہور امت کی دلیل

● حضرت سائب بن یزید ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں جمعہ کی پہلی اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر بیٹھ جاتے۔ جب حضرت عثمانؓ کا دور خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے (خطبہ سے پہلے) ایک اور اذان دینے کا حکم فرمایا۔ یہ اذان ایک اونچی جگہ پر دی جاتی تھی، پھر اس اذان پر مسلسل عمل شروع ہو گیا۔ (صحیح بخاری شریف باب الاذان یوم الجمعة ج۱ص۱۲۴، ابوداؤد باب النداء یوم الجمعة ج۱ص۱۵۵، نسائی باب الاذان للجمعة ج۱ص۲۰۷، ترمذی باب ما جاء فی اذان الجمعة ج۱ص۱۱۵، ابن ماجہ الاذان یوم الجمعة ج۱ص۷۹، سنن کبریٰ بیہقی ج۳ص۱۹۲، نصب الرایہ ج۲ص۱۹۶، صحیح ابن خزیمہ ج۳ص۱۳۷)

فائدہ:- اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ جمعہ کی اذان جو خطبۂ جمعہ سے آدھ پون گھنٹے قبل دی جاتی ہے اسکا اضافہ سیدنا حضرت ذوالنورینؓ نے اپنے بابرکت عہد خلافت میں فرمایا۔ لوگوں کو نماز کا وقت بتانے اور تیاری کے لئے جیسا کہ فتح الباری میں ہے (فتح الباری ۲:۳۹۴) اور یہ اضافہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین عظام اساطین امت رحمہم اللہ کی موجودگی میں ہوا،

کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ تمام شہروں میں اسی پر پابندی سے امت نے عمل کیا۔ لہذا یہ اذان فرمان نبوی: عَلَيْكُم بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ ترجمہ: تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاءِ راشدین کی سنت'' کے مطابق سنت ہے بدعت نہیں۔ بدعت کہنا گمراہی ہے، انتہائی خطرناک ہے، فتح الباری شرح البخاری میں ہے: لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے اس مبارک عمل کو تمام شہروں میں اختیار کیا اس وجہ سے کہ حضرت عثمانؓ اس وقت متفق علیہ قابل اطاعت خلیفہ تھے (فتح الباری ۲:۳۹۴، عون المعبود ۳:۳۳)

علامہ قسطلانیؒ نے فرمایا کہ اس اذان کی مشروعیت حضرت عثمانؓ کے اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کی موافقت سے ہوئی ہے کسی نے انکار نہیں کیا ہے، اس پر اجماع سکوتی ہو گیا۔ (ارشاد الساری شرح البخاری ۲:۵۸۵، عون المعبود ۳:۳۲۰)

غرض یہ اذان جو حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ سے رائج ہوئی سنت ہے فرمان نبوی ﷺ سے، اجماعِ صحابہ سے اور اجماع امت سے۔

خانہ ساز اجتہاد:- رفض کے الزام سے بچنے کیلئے بعض غیر مقلدین جمعہ کی اذان ثانی کو سنت تو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اس پر عمل نہ کرنے کیلئے خانہ ساز تاویلات پیش کرتے ہیں مثلاً

(۱) اس اذان کی ضرورت حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تھی اب گھڑی اور لاؤڈ اسپیکر نے اس کی ضرورت کو ختم کر دیا۔

(۲) وہ اذان مقام زوراء پر ہوتی تھی جگہ بدل کر دینے کی ضرورت نہیں۔ یا وہ صرف مدینہ کے مقام زوراء میں ہوئی اور کہیں اس کو اختیار نہیں کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

صاف اور واضح بات ہے کہ جب ایک عمل سنت ثابت ہو چکا تو اس سنت کو مختلف تاویلات اور علتوں سے ساقط کرنے کا اختیار ان غیر مقلدین کو کس نے دیا؟ اگر ایسی ہی تاویلات اور علتوں سے سنت ساقط کی جاتی رہی تو پھر امتِ محمدیہ میں سنتوں کا باقی رہنا مشکل ہو جائے گا۔

مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں وقت میں فلاں سنت کے وقت میری فلاں فلاں مصروفیات ہیں یا فلاں دشواری ہے اس لئے فلاں تاویل یا علت کی بناء پر مجھ سے فلاں سنت ساقط۔ کیا یہ بات قبول کی جائے گی؟ ہرگز نہیں۔

اذانِ ثانی کے مسئلہ پر حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے حدوثِ فرقۂ اہلحدیث تک بلکہ اس فرقہ پر جدید انکشاف تک جمیع اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع رہا ہے اگر روافض کی طرح کوئی مختلف تاویلات پیش کر کے اس سنت سے انکار کرے تو کیا وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے؟

عیدین کو جمعہ کی نماز کے مسئلہ میں

جدید انکشاف:۔ غیر مقلدین کے یہاں ایک حیرت انگیز مسئلہ کا انکشاف ہوا وہ یہ ہے کہ اگر جمعہ کے دن عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ ہو تو جمعہ کی نماز معاف ہے۔

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے ایک سوال ہوا کہ اگر اتفاق سے عید و جمعہ دونوں ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو اس میں جمعہ کا پڑھنا رخصت ہے یا نہیں۔ زید ایسے دنوں میں جمعہ ادا نہیں کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں یہ کہنا کیسا ہے؟

اس سوال کے جواب میں آپ کے شاگرد مولوی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں: ''جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاویں تو اس دن اختیار ہے جس کا جی چاہے جمعہ پڑھے اور جس کا جی نہ چاہے نہ پڑھے اور ایسے دنوں میں زید جو نماز ادا نہیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں، سو اس کا یہ کہنا اچھا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج۱ ص۵۷۳)

نواب نورالحسن صاحب لکھتے ہیں:۔ ''وچوں جمعہ وعید فراہم آیند در یک روز جمعہ رخصت باشد وظاہر آنست کہ ایں رخصت عام ست از برائے امام وسائر مردم۔'' ترجمہ:۔ جب جمعہ اور عید ایک دن ہوں تو جمعہ رخصت ہو جائیگا اور ظاہر ہیکہ یہ رخصت عام ہے امام کیلئے اور عام انسانوں کیلئے۔ (عرف الجادی صفحہ۴۳)۔

نواب وحیدالزماں صاحب رقمطراز ہیں: اور عید کے دن جمعہ کی مطلق رخصت ہے شہر والوں کیلئے اور دوسروں کیلئے۔ اگر چاہے تو عید اور جمعہ کی نماز دونوں پڑھے اور اگر چاہے تو صرف عید کی نماز پڑھے اور جمعہ کی نماز نہ پڑھے اور ظہر کے ساقط ہونے میں اختلاف ہے اور حق یہ ہے کہ اس (ظہر) کا چھوڑنا جائز ہے۔ (نزل الابرار ج۱ ص۱۵۵)۔ (ملاحظہ ہو عید کے دن ظہر بھی ساقط کر دی گئی۔)

نوٹ:۔ غیر مقلدین قرآن واحادیث کے خلاف کتنی جرأت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عید اور جمعہ اگر دونوں جمع ہو جائیں تو جمعہ کی نماز معاف ہے بلکہ ظہر بھی معاف ہے۔

عیدین کے دن جمعہ یا ظہر (فرض) ساقط کرنے کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرض کے سلسلہ میں غیر مقلدین کی یہ جرأت قابلِ حیرت وافسوس ہے۔

جمیع اہل سنت والجماعت کے دلائل

اہلسنت والجماعت کے یہاں اگر عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جائیں تو جمعہ ساقط نہیں ہوتا۔ عید اور جمعہ کے جمع ہونے پر عدم سقوط جمعہ کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

● حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھتے تھے، بسا اوقات عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑ جاتے تو بھی آپ ﷺ دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم فصل فی قرأۃ الٓمٓ ج۱ ص۲۸۸، ترمذی باب القرأۃ فی العیدین ج۱ ص۱۱۹، نسائی ''ذکر الاختلاف علی النعمان بن بشیر فی القرأۃ فی صلوٰۃ الجمعۃ ج۱ ص۲۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ''ما یقرأ بہ فی العید'' ج۴ ص۲۲۰، سنن دارمی ج۱ ص۲۹۰، ابوداؤد ما یقرأ فیالجمعۃ ج۱ ص۱۵۹)

اس حدیث شریف سے واضح ہوا کہ جب عید اور جمعہ جمع ہو جاتے تھے تو بھی آپ ﷺ دونوں کو پڑھتے تھے اور دونوں میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے۔

جمعہ کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ............. خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔

اس آیت کریمہ سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے جو کہ نص قطعی ہے اور تمام جمعوں کو شامل ہے۔ اس میں کسی جمعہ کی تخصیص نہیں ہے۔ لہذا عید کیوجہ سے جمعہ جو کہ فرض ہے ساقط نہیں ہوگا۔ روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے نماز عید پڑھائی اور جمعہ پڑھانے کا ارادہ تھا کہ خطبہ میں ان حضرات کو رخصت دی جن پر جمعہ فرض نہیں تھا اسی لئے صراحت فرمادی کہ اہل عالیہ میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے انتظار کرے اور جس کو جانا ہو وہ چلا جائے۔ اہل عالیہ یہ وہ لوگ تھے جن پر جمعہ فرض نہیں تھا کیونکہ یہ شہر سے دور دیہات کے علاقہ میں رہتے تھے۔ عثمان بن عفانؓ کی روایت ملاحظہ ہو۔

● امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوعبید نے بیان کیا کہ وہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر نماز کیلئے حضرت عمر بن خطابؓ کیساتھ حاضر ہوئے، آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر لوگوں کو خطبہ دیا۔ ابوعبیدؒ کہتے ہیں کہ پھر میں نماز عید کیلئے حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ حاضر ہوا۔ یہ اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، آپ نے بھی خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ فرمایا: لوگو! یہ ایسا دن ہے جس میں تمہارے لئے دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں تو جو اہل عوالی میں سے واپس جانا چاہے میری طرف سے اسے اجازت ہے اور جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے انتظار کرے۔ (بخاری شریف باب ما یو کل به من لحو م ا لا ضا حی و ما یتزود ج۲ص۸۳۵ مصنف ابن ابی شیبہ " فی العید یجتمعان یجز ی ء احد هما مـــن ا لا خــر " ج۴ص۲۴۲، موطا امام مالک ص۶۳، کتاب الام ج۱ص۲۷۴، نصب الرایہ ج۲ ص۲۲۵، موطا امام محمد ص۱۳۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے جو رخصت دی تھی وہ اہل عوالی (دیہات والوں) کو دی تھی اور ان پر جمعہ فرض نہیں تھا لیکن چونکہ یہ عید کی نماز کیلئے حاضر ہوگئے

تھے، اور اب ان کے زیادہ دیر ٹھہرنے میں مشقت ہی مشقت تھی اسلئے حضرت عثمان بن عفانؓ نے ان کو اجازت دی تھی۔ لیکن یہ غیر مقلدین اس روایت کے تحت سب کو جمع فرما لیتے ہیں "شہر" والوں اور "دیہات" والوں کو جواز روئے مقتضائے روایت بالکل صحیح نہیں ہے۔

غیر مقلدین کے استدلال پر اعتراض

اس سلسلے میں غیر مقلدین ابن ماجہ کی روایت پیش کرتے ہیں جو حضرت زید ابن ارقمؓ سے ہے۔ مگر یہ سند ضعیف ہے، ابن المنذر نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں کیونکہ ایاس ابن ابی رملہ مجہول ہیں، ابن حجر نے بھی اسے تقریب میں مجہول کہا ہے۔ روایت ملاحظہ ہو۔

● حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عید پڑھائی اور جمعہ کے پڑھنے میں رخصت دے دی، اس حدیث کو حاکم، ذہبی اور علی بن مدینی نے صحیح کہا ہے نووی نے اس کی سند کو جید کہا ہے المجموع (ج۴ص۴۹۲) مگر یہ سند ضعیف ہے ابن خزیمہ حدیث ذکر کرنے سے قبل فرماتے ہیں بشرطیکہ یہ حدیث صحیح ہو ایاس بن رملہ کے بارے میں مجھے جرح وتعدیل کا علم نہیں۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں کیونکہ ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے میزان الاعتدال (ج۱ص۲۸۲) وتلخیص الحبیر (ج۲ص۸۸) ابن حجر نے بھی اسے "تقریب" میں مجہول کہا ہے۔

اسی مضمون کی روایات ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے مگر ابن حجر اور دارقطنی نے کہا یہ حدیث مرسل ہے، ابن عمرؓ سے بھی اس سلسلے میں روایت ذکر کرتے ہیں مگر اس کی سند میں جبارہ اور مندل ہے یہ دونوں ضعیف ہیں۔

جتنی احادیث غیر مقلدین اس سلسلے میں پیش کرتے ہیں سب احادیث ضعیف ہیں۔ ابن حزم نے کہا کہ جب عید اور جمعہ کا دن جمع ہوجائے تو عید کی نماز پڑھے پھر جمعہ کی نماز پڑھے اور بیشک اس کے خلاف آثار سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ (المحلی لابن حزم ج۳ص۹۳)۔

ابن حزم نے کہا کہ جمعہ فرض ہے اور عید نفل (تطوع، سنت) ہے اور نفل فرض کو ساقط نہیں کرتا۔''
(جس طرح ظہر عید کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی) (المحلی لابن حزم ج ۳ ص ۹۳)

نماز جمعہ کا ثبوت دلائل قطعیہ سے ہے لہذا اس کے سقوط کیلئے بھی دلیل قطعی کی ضرورت ہوگی جب کہ اسکے بارے میں کوئی صحیح اور صریح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے تو دلیل قطعی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا اثر کا سہارا لے کر کتاب اللہ، اخبار متواترہ، اور اجماع کی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ لہذا آیت کریمہ، احادیث نبویہ، آثار صحابہ، تعامل خلفاء راشدین وتوارث ائمہ متبوعین وفقہاء نیز توافق کبار محدثین کی وجہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جب بھی جمعہ وعید جمع ہو جائے تو دونوں پڑھنا ضروری ہے۔ عید کی وجہ سے جمعہ ساقط نہیں ہوگا۔

قضاء نمازوں کا بیان

ہر مسلمان پر ہر دن پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں امتِ مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے۔ اگر کسی دن کی یا کسی وقت کی نماز کسی وجہ سے چھوٹ جائے تو اسے قضاء ہو جانا کہتے ہیں اور ان چھوٹی نمازوں کو پڑھنا ضروری ہے جسے قضاء کی ادائیگی کہتے ہیں۔ اگر اس کی قضاء نہ کرے تو آخرت میں اس کا محاسبہ ہوگا۔

غیر مقلدین کا موقف:۔ قضاء نمازوں کے سلسلہ میں غیر مقلدین کا موقف متعین نہیں ہے۔ بعض قضاء نمازوں کی دو قسم بتاتے ہیں ایک وقتی یعنی جو فی الحال قضاء ہوئی ہو اور دوسری غیر وقتی جو کچھ عرصہ قبل چھوٹی ہو۔ وقتی تو قضاء کر لے اور غیر وقتی کی قضاء نہیں کر سکتا۔ کچھ غیر مقلدین کا موقف ہے کہ اگر بھول کر قضاء ہوئی ہوں تو پڑھ سکتا ہے اور جو نمازیں جان بوجھ کر نہ پڑھی ہوں انکی قضاء نہیں کر سکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ان کے فتاوے ملاحظہ ہوں۔

مولوی یونس صاحب لکھتے ہیں ''اگر کوئی دیدہ دانستہ نمازیں چھوڑ دے اور پھر ان کی قضاء کرنا چاہے تو اس قسم کی نمازوں کی قضاء حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ آدمی کے لئے توبہ و استغفار کافی ہے۔ (دستور المتقی ص ۱۴۹)

حافظ عبداللہ روپڑی صاحب تحریر فرماتے ہیں بلوغ کے بعد اگر نمازیں چھوڑی جو آسانی سے ادا ہو سکتی ہیں تو کر لی جائیں اگر زیادہ مدت کی ہوں جن کو ادا کرنا مشکل ہو تو یہی کافی ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث ج ۱ ص ۴۱۵)

مفتی عبدالستار صاحب سابق امام جماعت غرباءِ اہل حدیث رقمطراز ہیں: لیکن سوال یہ ہے کہ نماز قضاء کیوں ہوئی اصل یہ کہ عمداً چھوڑی ہے شرع میں نہ قضاء کرنے کا حکم ہے اور نہ اس کی کوئی صورت ہے۔ انسان سو جائے تو جب بیدار ہو وہی اس کا وقت ہے، اگر بھول جائے تو جب یاد آجائے وہی اس کا وقت ہے اگر بے ہوشی ہو جائے تو جب ہوش آئے وہی اس کا وقت ہے، پھر قضاء ہو جانیکی صورت کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ نفسانی عذر بنا کر چھوڑی ہے، جس کی قضاء نہیں، اس پر جرم ہے کہ وہ کافر ہو گیا، اسلئے مسلمان توبہ کر کے ہوئے (فتاویٰ ستاریہ ج ۴ ص ۱۵۴)

تنبیہ:۔ جو نماز چھوٹ جائے وہ قضاء ہے اب اسے وقتی یا غیر وقتی کہنے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ان نمازوں کی قسمیں بتا کر اس کی قضاء کو ساقط کر دینا اجماعِ امت کے خلاف ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے بندہ پر جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے فَاقْضُوا اللّٰهَ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ یعنی اللہ کا قرض ادا کرو وہ ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے۔ (نسائی ج ۲: ص ۲) ایک دوسری روایت میں ہے: فَدَيْنُ اللّٰهِ اَحَقُّ یعنی اللہ کا قرض زیادہ اس لائق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔ (نسائی ج ۲: ص ۳) یہ فوت شدہ نماز ایک ہو یا کئی ایک ہوں، ادائیگی بہر حال لازم ہے۔

ازالہ شبہ: بعض دین سے ناواقف لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ قضاء عمری ادا کرنا سنت رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ کرام ؓ سے ثابت نہیں ہے۔ ایسے جاہل لوگوں کو جاننا چاہئے کہ آپ ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں سے یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اہم فریضہ سے سستی وغفلت ہوتی۔ جب وہ مقدس ہستیاں نمازوں کی شدید حریص و پابند تھیں پھر قضاء کا کیا تصور، البتہ نماز کے فوت ہونے کی صورت میں ادائیگی کا حکم آپ ﷺ نے دیا ہے، خواہ وہ ایک نماز ہو یا زندگی میں فوت شدہ کئی نمازیں ہوں، زندگی میں چھوٹی ہوئی کئی نمازوں کی ادائیگی کو ہی قضاء عمری کہا جاتا ہے۔

ذیل میں چند روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قضاء نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے۔

● حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رات میں سفر کیا پھر رات کے اخیر حصہ میں قیام کیا بیدار نہیں ہوئے، یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہوگیا۔ سورج کے بلند ہونے تک آپ ﷺ نے نماز ادا نہیں کی اسکے بعد آپ ﷺ نے نماز فجر ادا کی۔ (نسائی **باب کیف یقضی الفائت من الصلوٰۃ** ج۱ص۱۰۲)

● حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ اخیر رات سفر میں قیام فرمایا۔ (اہل قافلہ کو) بیدار کرنے کی ذمہ داری حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سونپ دی۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سوگئے اور اہل قافلہ بھی محو خواب ہوگئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اہل قافلہ بیدار ہوئے جبکہ آفتاب طلوع ہو چکا تھا (حدیث میں ہے) پھر آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (قضاء نماز) باجماعت پڑھائی (موطا امام مالک ص۵)

فائدہ:۔ یہ دونوں روایتیں نیز ماسبق عنوان کی روایتیں اس بات پر صاف دلالت کرتی ہیں کہ رات کے اخیر حصہ میں تھکان سے آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی آنکھ لگ گئی۔ طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر کی قضاء فرمائی جس سے قضاء نمازوں کے وجوباً ادائیگی کا ثبوت ہوا۔ ابن ماجہ (ج۱:ص۵۰) میں یہ واقعہ قدرے تفصیل کیساتھ ہے بیدار ہونے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی جب نماز قضاء فرما چکے تو ارشاد فرمایا: جو نماز بھول جائے تو یاد آنے پر اس کو ادا کرے۔

● حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی نماز بھول جائے تو جب بھی یاد آئے چاہئے کہ اسکو پڑھ لے۔ اسکے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ ارشاد فرمایا: نماز قائم کرو میری یاد کیلئے۔ (صحیح بخاری **باب من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکر... الخ** ج۱ص۸۴، صحیح مسلم **باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائھا**

ج۱ص۲۴۱، نسائی ج۱:ص۷۱، ابو داود ج۱:ص۶۳، ترمذی ج۱:ص۴۳، ابن ماجہ ج۱:ص۵۰، مصنف عبدالرزاق ج۲:ص۴۹، حدیث نمبر۳۹۴، نصب الرایہ ج۲:ص۱۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ "**الرجل ینسی الصلاۃ او ینام عنھا**" ج۳ص۵۱۴)

● حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز سے سو جائے یا نماز سے غفلت ہو جائے تو جب اسکو یاد آئے اس کو پڑھ لے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نماز قائم کرو میری یاد کیلئے۔ (صحیح مسلم شریف ۱:۲۴۱، نسائی ۱:۷۱)

● حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز کو بھول جاؤ تو جب یاد آئے پڑھ لو اسلئے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرتے ہیں: نماز قائم کرو میری یاد کے لئے۔ (نسائی ج۱ص۱۰۰، سنن کبری بیہقی ۲:۲۱۷، کنز العمال ۷:۵۳۷)

● حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کو بھول جائے یا سو جائے تو جب یاد آئے اسے پڑھے۔ (مسند بزار ۹:۱۳۷، حدیث نمبر۳۶۹۴، مجمع الزوائد ۱: ۳۲۲، **رِجَالُہٗ مُوَثَّقُوْنَ کَذَاعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ** مصنف ابن ابی شیبہ "**الرجل ینسی الصلاۃ او ینام عنھا**" ج۳ص۵۱۴)

فائدہ:۔ ان روایات صحیحہ سے ثابت ہوا کہ نماز بھول کر یا جان بوجھ کر یا سونے کی بناء پر فوت ہو جائے تو ساقط نہیں ہوتی ہے بلکہ اسکی قضاء (ادائیگی) جلد از جلد ضروری و لازم ہے (بہتر یہ ہے کہ وقت پر نہ پڑھنے پر توبہ کرے)۔

قضاء نمازوں میں ترتیب ضروری ہے

● حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ (غزوۂ خندق کے دن) دشمن کے مقابلہ میں تھے۔ ان دشمنوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء پڑھنے سے باز رکھا، یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی۔ حضور اکرم ﷺ کھڑے

ہوئے ظہر سے قضاء کرنا شروع فرمایا۔ پہلے ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر عصر کی نماز، پھر مغرب کی نماز اور اخیر میں عشاء کی نماز ادا فرمائی یکے بعد دیگرے آپ ﷺ نے ادا فرمائی (سنن کبریٰ بیہقی ج۲:ص۲۱۹،۲۲۰،باب قضاء الصلوات ا لاولی فالاولی)

فائدہ: ۔اس روایت سے ثابت ہوا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر آپ ﷺ کی تین نمازیں فوت ہوئیں۔آپ ﷺ نے انھیں بالترتیب ادا فرمائیں۔آپ ﷺ کے اس عمل مبارک سے چھوٹی ہوئی نمازوں میں اور وقتیہ نماز میں ترتیب ثابت ہوئی۔نیز آپ ﷺ کے ارشاد: صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ یعنی نماز اسی طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔(مسند امام شافعی ص:۵۵،صحیح بخاری باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ ....الخ ج ا ص ۸۸، سنن دارمی ۱:۲۰۲) سے ترتیب کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ: ۔حضرات محدثین نے جو باب قائم فرمایا اس سے مزید ترتیب کا اثبات معلوم ہوتا ہے۔ امام بخاری اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے باب قائم فرمایا ہے: بَابُ قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ الْاُوْلٰی فَالْاُوْلٰی یعنی نمازوں کی قضاء کا بیان جو ترتیب میں پہلی ہو وہ قضاء میں بھی پہلی ہو۔

● حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ اپنے والد محترم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے روز مشرکین نے حضور اکرم ﷺ کو چار نمازیں نہیں پڑھنے دیں یہاں تک کہ رات کا اتنا حصہ گذر گیا جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔پھر حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی پھر اقامت کہی۔ پس ظہر پڑھی، پھر اقامت کہی تو عصر پڑھی، پھر اقامت کہی تو مغرب پڑھی، پھر اقامت کہی تو عشاء پڑھی (مصنف ابن ابی شیبہ ''الرجل یتشاغل فی الحرب او نحوہ، کیف یصلی'' ج۳ ص۵۲۶، سنن ترمذی ج ا ص ۴۳، نسائی ج ا ص ۷۲، بَابٌ کَیْفَ یَقْضِی الْفَوَائِتَ مِنَ الصَّلٰوۃِ)

فائدہ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث شریف کا جو باب قائم کیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسکی کئی نمازیں فوت ہوگئی ہوں وہ کس نماز سے قضاء کی ابتداء کرے۔حضرت امام نسائی رحمہ اللہ

نے باب قائم کیا ہے فوت شدہ نمازیں کس طرح ادا کی جائیں۔جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان محدثین کے نزدیک بھی قضاء ضروری ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں پہلی روایت کے مقابل مزید صراحت موجود ہے۔

چھوٹی ہوئی نماز اور وقتیہ نماز میں ترتیب ضروری ہے

● حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر بن خطابؓ غزوہ خندق کے روز تشریف لائے آفتاب کے غروب ہونے کے بعد کفار قریش کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ! میں نے نماز عصر ادا نہیں کی یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے بھی نماز عصر ادا نہیں کی ہے۔چنانچہ مقام بطحان میں ٹھہرے۔آپ ﷺ نے وضو فرمایا ہم نے بھی وضو کیا۔غروب شمس کے بعد پہلے نماز عصر ادا کی پھر اسکے بعد نماز مغرب ادا کی۔(اعلاء السنن ۷:۱۴۳،صحیح بخاری شریف باب قضاء الصلوات ا لاولیٰ فالاولی ج۱:۸۴،صحیح مسلم باب الدلیل لمن قال الصلوٰۃ الوسطیٰ ھی صلوٰۃ العصر ج ا ص ۲۲۷، سنن کبری بیہقی ۲:۲۱۹،نسائی ۱:۱۵۳،مصنف ابن ابی شیبہ ''الرجل یتشاغل فی الحرب او نحوہ، کیف یصلی'' ج۳ ص ۵۲۶)

فائدہ: حدیث شریف سے صاف واضح ہے کہ چھوٹی ہوئی نماز اور وقتیہ نماز (جو قضا نہیں ہوئی ہے بلکہ ابھی ادائیگی کا وقت ہے) میں ترتیب ضروری ہے اسلئے کہ آپ ﷺ کے عمل اور قول (ویسے ہی نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو) (بخاری ۱:۸۸) سے ثابت ہے اور اسلئے بھی کہ احادیث میں وارد ہے کہ فوت شدہ نماز جب یاد آئے ادا کرلے۔مکروہ اوقات کے علاوہ۔لہٰذا فوت شدہ کو پڑھے پھر وقتیہ ادا کرے، اگر وقتیہ نماز کے دوران فوت شدہ نماز یاد آجائے تو وقتیہ مکمل کر کے قضاء والی نماز پڑھے پھر وقتیہ نماز دوبارہ پڑھے۔

● حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی

نماز بھول جائے پھر اس کو یاد آئے اس حال میں کہ وہ امام کیساتھ ہو تو چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری کرلے اور اس بھولی ہوئی نماز کی قضاء کرے پھر اس نماز کا اعادہ کرے جو امام کیساتھ ادا کی ہے (طبرانی فی الاوسط، اعلاء السنن ۷:۱۴۴، موطا امام محمد ص:۱۳۵، سنن کبری بیہقی ۲:۲۲۱، بَابٌ مَنْ ذَکَرَ صَلٰوۃً وَھُوَ فِیْ اُخْرٰی ، دار قطنی ۱:۴۲۱، کذا فی مصنف عبدالرزاق ۲:۵، ومعرفۃ السنن والآثار ۳:۱۴۰)

● حضرت عبداللہ بن عوف رحمہ اللہ صحابی رسول حضرت ابو جمعہ حبیب بن سباع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ احزاب کے سال نماز مغرب ادا فرمائی اور نماز عصر بھول گئے جب نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے نماز عصر پڑھتے دیکھا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا نہیں دیکھا۔ اے اللہ کے رسول! آپ نے مؤذن کو حکم دیا اس نے اذان دی۔ پھر اقامت کہی آپ ﷺ نے نماز عصر ادا کی۔ پہلی نماز مغرب کو کالعدم قرار دے کر۔ پھر نماز مغرب کا اعادہ کیا (سنن کبری بیہقی ۲:۲۲۰، مسند احمد ۴:۸۸، بحوالہ اعلاء السنن ۷:۱۴۵، نصب الرایہ ۲:۱۶۳، رواہ الطبرانی فی الکبیر ۴:۲۳، حدیث نمبر ۳۵۴۲، مجمع الزوائد ۱:۳۲۴)

فائدہ:۔ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ فوت شدہ نماز اور وقتیہ نماز کے درمیان ترتیب ضروری ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے نماز دہرانے کا حکم دیا ہے۔ اور خود آپ نے فوت شدہ نماز بھول کر وقتیہ ادا کرنے کی صورت میں وقتیہ نماز کا اعادہ کیا ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم

فرقہ غیر مقلدین ایک محدَث (نیا) فرقہ ہے، جس کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں ہے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اور شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے کثیر التعداد تلامذہ و متعلقین میں سے ایک صاحب نے سب سے الگ ڈیڑھ انیٹ کی مسجد بنائی، اور پھر اسی ڈیڑھ اینٹ پر مزید اینٹیں بڑھتی گئیں، اس فرقہ نے چند اختلافی مسائل کو شناخت اور علامت بنایا۔ اور یہی طریقہ ہر اس گروہ کا رہا ہے، جو صراط مستقیم سے منحرف ہوا ہے۔ روافض اور خوارج سے لیکر زمانۂ حال کے تمام فرقوں اور گروہوں پر نظر ڈال لیجئے کہ کسی کے پاس اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً (اسلام میں پورے طور سے داخل ہو جاؤ) کا پروگرام نہیں ملے گا، ہر ایک اپنی اپنی ایک شناخت بنا کر اسکو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اس طرح ایک ایسا مسئلہ جو پورے مجموعۂ اسلام کے پس منظر میں زیادہ اہمیت کا حامل نہیں رہا ہے۔ حق و باطل کا امتیاز بن جاتا ہے، اسکی ایسی مثال ہے، جیسے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں قدرت نے ہر ایک کی ایک مقدار بنادی ہے، اس مقدار میں وہ خوب صورت اور برمحل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ان پانچوں انگلیوں میں سے ایک انگلی اگر گز بھر کی ہو جائے تو وہ اس شخص کی شناخت بن جائیگی، مگر پھوہڑ اور بدصورت۔ آپ دیکھ لیجئے کسی نے صحابہ کرام میں چند مخصوص اصحاب کو چن کر انہیں بہت اونچا اٹھادیا، اور دوسروں کو گرادیا، کہیں گناہ کبیرہ کی حیثیت کو اسکے مقام سے بلند کر کے اسے کفر کے ہم پایہ بنا کر اپنی شناخت قائم کی گئی۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ ورنہ ہر فرقہ کی ایک ایک شناخت دکھائی جاسکتی ہے۔ فرقہ غیر مقلدین نے بھی چند جزئی مسائل کو اپنی شناخت بنایا، نمازوں میں رفع یدین، آمین بالجہر، قراءۃ خلف الامام، آٹھ رکعات تراویح، ان میں سے کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر حق و باطل کا مدار ہو، مگر اس عجیب و غریب فرقہ نے ان مسائل کو انکے رتبہ سے اٹھا کر کہیں سے کہیں پہونچادیا، اور اسکو اپنی شناخت بنالیا، پھر اس پر وہ شور و شر مچایا، اتنے رسالے نکالے، مناظرے اور مجادلے کے وہ بازار گرم کئے کہ الامان والحفیظ۔

انہیں علاماتی مسائل میں ایک اہم مسئلہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کا ہے، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم علیہما الرحمۃ نے پہلی مرتبہ ایسی تین طلاقوں کو ایک قرار دیا مگر انکے علاوہ کسی عالم نے اسے تسلیم نہیں کیا، اس نومولود فرقہ کو اپنی شناخت کیلئے یہ مسئلہ پسند آیا۔ اور اسنے پوری قوت سے اس مسئلہ کو اچھالا، اور دلائل کے نام سے عجیب عجیب قلابازیاں کھائیں۔ ابتداء میں غیر مقلدین خود ایک مجلس کی تین طلاقوں کے نافذ ہونے کے قائل تھے۔ چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ میں فرقۂ اہلحدیث کے ایک عالم مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب دہلوی کا فتویٰ ہے جس کا اقتباس ہے ''اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلسِ واحد کی محدثین کے نزدیک ایک حکم میں ہیں، یہ مسلک صحابہ و تابعین و تبعِ تابعین وغیرہ ائمۂ محدثین متقدمین کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتویٰ کے پابند اور انکے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے اخیر یا اوائلِ آٹھویں میں دیا تھا تو وقت کے علماء اسلام نے انکی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسام ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کے ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا، شیخ الاسلام اور انکے شاگرد ابن قیمؒ پر مصائب برپا ہوئے، انکو اونٹ پر سوار کر کے دُرّے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی، قید کئے گئے اسلئے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی ص ۳۱۸۔ اور سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبع فاروقی دہلی ج ۲ ص ۹۸ اور التاج المکلل مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب ص ۲۸۶ میں ہے کہ امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف ہیں۔ (التاج المکلل ص ۲۸۸، ۲۸۹) ہاں تو جب کہ متأخرین علماءِ اہلحدیث نے جو عموماً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ کے معتقد ہیں، اسلئے وہ بے شک اس مسئلہ میں شیخ الاسلام سے متفق ہیں اور وہ اسی کو محدثین کا مسلک بتاتے ہیں، اور مشہور کر دیا گیا کہ یہ مذہب محدثین کا ہے اور اسکا خلاف مذہب حنفیہ کا ہے، اسلئے ہمارے

اصحاب اسے فوراً تسلیم کر لیتے ہیں اور اسکے خلاف کو رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ فتویٰ یا مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا ہے .... (بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۴۵، ۴۶)''۔ لیکن کچھ عرصہ بعد غیر مقلدین کو جدید انکشاف ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے حکم میں آج تک جمہور امت جس پر عمل کرتے آئی ہے اور جس پر وہ خود بھی عمل کرتے آئے ہیں وہ غلط تھا۔ صحیح وہ ہے جو سات سو سال بعد علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے اس سلسلہ میں پیش کیا (جو دراصل روافض کی علامت ہے)۔

غیر مقلدین:- ان کا موقف ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے تو ایک ہی واقع ہوتی ہے اور مطلقہ اس کیلئے حلال ہے رجوع کر سکتا ہے۔

جمہور امت:- قرآن کریم کا صریح حکم ہے ''**فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ** ترجمہ: پس اگر اس کو (تین) طلاق دیدے تو اس کیلئے حلال نہیں ہے اسکے بعد جب تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے'' (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰) اس آیت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے جمہور امت کا موقف درجِ ذیل ہے۔

''ایک مجلس کی تین طلاقیں بیک لفظ دی جائیں یا بالفاظِ متعددہ، واقع ہو جاتی ہیں۔ اور تین طلاقوں کے بعد چاہے وہ جس طرح دی گئی ہوں رجعت کرنا شرعاً ممکن نہیں ہے۔ شریعت کا یہ وہ مسئلہ ہے جس پر اہلسنت والجماعت کے ہر چہار امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، اور نہ صرف یہی بلکہ دیگر اکابر ائمۂ فقہ و حدیث مثلاً امام اوزاعیؒ، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ، امام اسحاقؒ، امام ابوثورؒ، امام بخاریؒ کا بھی یہی قول ہے، بلکہ جمہور صحابہ و تابعین و جمہور ائمۂ سلف وخلف اسی کے قائل ہیں۔''

نکتۂ اختلاف:- چونکہ غیر مقلدین کا موقف قرآن کریم کے صریح حکم ''**فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ** ترجمہ:- پس اگر اسکو (تین) طلاق دیدے تو اس کیلئے حلال نہیں ہے اسکے بعد جب تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے (سورۂ بقرہ

آیت نمبر ۲۳۰)'' کے خلاف ہے۔قرآن کریم تین طلاقیں دی ہوئی عورت کوطلاق دینے والے پر''حرام'' قرار دیتا ہے اور غیر مقلدین اسے ''حلال'' قرار دیتے ہیں اس لئے انہیں اپنی دلیل میں نص صریح (قرآن کریم کی آیت) یا کم ازکم احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ پیش کرنا چاہئے۔

غیر مقلدین کے دلائل

غیر مقلدین جوایک مجلس کی تین طلاقوں کو رجعی قرار دیتے ہیں وہ بنیادی طور پر دلیل میں دو روایات ذکر کرتے ہیں۔اور دونوں عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ایک روایت مسلم شریف کے حوالے سے اور دوسری روایت مسند احمد کے حوالے سے۔انکے دلائل ملاحظہ ہوں۔

● ''اَبُو الصَّہْبَاء'' نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد نبوی وعہد صدیقی میں اور عہد فاروقی کے ابتدا میں تین طلاق ایک تھی۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں لیکن جب لوگوں نے بکثرت طلاق دینا شروع کی تو حضرت عمرؓ نے تینوں کو نافذ کردیا۔(صحیح مسلم باب طلاق الثلاث ج ا ص ۴۷۸)

استدلال پر اعتراضات:۔مذکورہ روایت نہ قول رسول ہے نہ فعلِ رسول ہے نہ تقریر رسول ہے۔جب کہ حدیثِ مرفوع کی تعریف ہے کہ ''جس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے اقوال،افعال اور تقریرات کا بیان ہو''۔اسلئے مذکورہ روایت سرے سے حدیث (مرفوع) ہی نہیں ہے۔اصول کی رو سے غیر مقلدین کو''حرام'' کی ضد میں ''حلال'' کی دلیل میں احادیث صحیحہ متواترہ پیش کرنا چاہئے۔اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تو قابلِ حجت نہیں تھی کیونکہ غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول وفعل حجت نہیں ہے جب کہ یہ روایت متعدد وجوہ کی بناء پر بھی ناقابلِ استدلال ہے۔کیونکہ؛

(۱) یہ روایت وہم وغلط ہے چنانچہ بڑے جلیل القدر حافظ ومحدث ابن عبدالبر نے فرمایا ہے ھٰذِہِ الرِّوَایَۃُ وَھْمٌ وَغَلَطٌ یعنی یہ روایت وہم وغلط ہے (الجواہر النقی ص ۱۱۳)

(۲) یہ روایت شاذ ومنکر ہے،چنانچہ امام احمد بن حنبل اور بیہقی نے یہی فرمایا ہے کہ ابن عباسؓ کے جملہ

شاگرد اسکے خلاف روایت کرتے ہیں۔(دیکھو نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۵۷ اور اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۶ اور فتح الباری ص ۲۹۱)

(۳) علامہ ابن العربی مالکی شارح ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کلام ہے پس وہ اجماع پر کیسے ترجیح پاسکتی ہے۔(دیکھو فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۱)

(۴) امام شافعی ونووی وغیرہما نے فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے (فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۱)

(۵) اس روایت کا مدار طاؤسؒ پر ہے اور انکی نسبت علامہ ابوجعفر بن النحاس نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھا ہے کہ طاؤس اگرچہ مرد صالح ہیں مگر ابن عباسؓ سے انکی کئی روایتیں منکر و نامقبول ہیں۔

(۶) روایت کا پورا مضمون غور سے پڑھئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے خود اسکا جواب دیدیا ہے۔کبھی کسی وجہ سے ایسا ہوتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسکے خلاف پر اجماع ہوگیا لہٰذا اب تینوں طلاقوں کے بعد رجعت جائز نہیں ہے۔

(۷) علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ روایت مضطرب ہے (فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۲)۔بہت زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کیا ہے اور خود ابن عباسؓ نے اسکے خلاف فتوے دیئے ہیں۔(ملاحظہ ہو سنن سعید بن منصور حدیث نمبر ۱۰۶۴، ۱۰۶۵ اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اَلَا عْلَامُ الْمَرْفُوْعَۃ اور اَلْاَزْھَار الْمَتْبُوْعَۃ مؤلف محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ)۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ روایت کسی راوی کا وہم ہے جیسا کہ ابن عبدالبر کا خیال ہے یا پھر منسوخ ہے ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فتاوائے نبوی ﷺ کا علم رکھتے ہوئے اسکے خلاف فتویٰ دیدیں۔پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ ابوالصہباء (جسکی شخصیت بالکل مجہول ہے اور بالکل یقینی ہے کہ وہ صحابی نہیں ہے اس) کو تو معلوم تھا کہ عہد نبوی وعہد صدیقی میں طلاق ثلث ایک تھی لیکن صحابہ کا جم غفیر اس حکم سے واقف نہ تھا ورنہ کیا وجہ ہے کہ جب حضرت عمر نے تینوں کو نافذ کیا اور اسکا اعلان فرمایا تو کسی صحابی نے نہ ٹوکا۔کسی نے مخالفت نہ کی کسی نے نہ بتایا کہ عہد صدیقی کے خلاف

ہے اور اگر کسی نے مخالفت کی ہو تو کوئی صاحب ہمت کر کے ذرا ان کا نام لیں اور ثابت تو کریں۔

غرض مذکورہ روایت تین طلاق کے بعد رجعت کی دلیل میں ہرگز قابلِ قبول نہیں۔

● حضرت رکانہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر بہت پچھتائے آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ تم نے کیسی طلاق دی ہے انہوں نے کہا تین آپ نے پوچھا کہ ایک جلسے میں؟ کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ وہ ایک ہی ہے اگر تمہارا جی چاہے تو رجعت کرلو (مسند احمد)

کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث حسن وصحیح دونوں طریق سے مروی ہے مگر درحقیقت یہ مغالطہ ہے۔ حضرت رکانہ نے تین طلاق نہیں دی تھی بلکہ لفظ بتہ کیساتھ طلاق دی تھی، اور پانچ زبردست محدثوں نے طلاق بتہ والی حدیث کی تصحیح کی ہے۔ پس مسند احمد والی حدیث کیسے صحیح یا حسن ہوسکتی ہے؟ جب رکانہ کا لفظ بتہ کے ساتھ طلاق دینا محدثین کے نزدیک صحیح واقعہ ہے تو پھر اسی واقعہ میں تین طلاق کا ہونا کون صحیح کہہ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی محدث نے مسند احمد والی حدیث کی تصحیح یا تحسین نہیں کی ہے، بلکہ محدثین نے اسکو حد درجہ کمزور بتایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے وَهُوَ مَعْلُوْلٌ اَيْضاً یعنی مسند احمد والی حدیث بھی بہت مجروح وضعیف ہے (ص ۳۱۹)۔ اور حافظ ذہبی نے بھی اسکو داؤد بن الحصین کے مناکیر میں شمار کیا ہے۔ پس اس حالت میں اگر اسکی اسناد حسن یا صحیح بھی ہوں تو استدلال نہیں ہوسکتا اسلئے کہ اسناد کی صحت استدلال کی صحت کو مستلزم نہیں ہے۔

بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث کی اسناد بہت ٹھیک ہوتی ہیں لیکن اسکے مضمون میں کوئی ایسی باریک علت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نامقبول ہوجاتی ہے ایسی حدیث کو اصطلاح میں معلول کہتے ہیں، لہٰذا اسناد کے رجال کے ساتھ ایک محدث کی نظر اس پر بھی ہونی چاہئے کہ مضمونِ حدیث میں کوئی علتِ خفیہ تو نہیں ہے لیکن نہ ہر شخص کو یہ سلیقہ ہوتا ہے نہ ہر شخص اس کا لحاظ ہی کرتا ہے۔ بہرحال مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ علامہ ابن القیمؒ نے صرف اسکی اسناد دیکھی اور یہ دیکھا کہ یہی سند ایک دوسری حدیث کی بھی ہے اور اس جگہ اس سند کو امام احمد نے صحیح اور

ترمذی نے حسن کہا ہے، لہٰذا یہ سند بھی صحیح ہے اور جب سند صحیح ہے تو یہ حدیث حجت ہے لیکن علامہ ابن القیمؒ نے یہ خیال نہ کیا کہ صرف اسناد کے صحیح ہونے سے کام نہ چلے گا بلکہ متن کا بھی علت سے خالی ہونا ضروری ہے اور یہ بھی نہ سوچا کہ جہاں پر اس سند کو امام احمد نے صحیح کہا ہے وہاں متن میں کوئی خرابی نہ ہوگی اسلئے اس حدیث کو قابلِ عمل کہا ہے تو کچھ ضروری نہیں کہ ہر حدیث جو اس سند سے مروی ہو قابلِ عمل ہوجائے۔ یہ اصولِ حدیث کا ایسا بدیہی اور مشہور مسئلہ ہے کہ اس کیلئے کسی خاص حوالہ کی ضرورت نہیں۔ صرف اسناد کی صحت استدلال کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ متن کا بھی علت سے خالی ہونا ضروری ہے۔ پس اگر اس حدیث کی اسناد صحیح بھی ہوں تو چونکہ حافظ ابن حجر نے اس کو معلول کہا ہے اس لئے اس سے استدلال جائز نہیں ہوسکتا۔

یہ سب اس وقت ہے جب کہ حدیث کی اسناد کو صحیح یا حسن تسلیم کرلیا جائے لیکن ابھی اسی میں بہت گفتگو ہے کہ اسناد بھی صحیح ہیں یا نہیں۔ رجالِ اسناد میں محمد بن اسحاق واقع ہیں ان میں بہت زیادہ کلام ہے اور محدثین نے نہایت سخت سخت جرحیں ان پر کی ہیں۔ حافظ ذہبی نے انکی جرح وتعدیل کے اقوال ذکر کر کے اپنا فیصلہ یہ لکھا ہے کہ ''انکے حافظہ میں کچھ خرابی ضرور ہے، اور یہ کہ جس چیز کے روایت کرنے میں وہ تنہا ہوں وہ منکر ہے'' دوسرے راوی اس سند کے داؤد بن الحصین ہیں ان میں بھی بہت زیادہ کلام ہے اور محدثین کی ان پر مختلف جرحیں ہیں اگر ان سب جرحوں سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو کم از کم اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ انکی وہ روایتیں جو عکرمہ سے لاتے ہیں منکر ہوتی ہیں۔ امام بخاری کے استاد علی بن المدینی نے فرمایا ہے مَارَوَاهُ عَنْ عِكْرِمَةَ فَمُنْكَرٌ یعنی انہوں نے عکرمہ سے جو روایتیں کی ہیں وہ منکر ہیں۔ اور امام ابوداؤد صاحب سنن کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ انکی اور حدیثیں تو ٹھیک ہیں لیکن عکرمہ سے جو روایتیں لاتے ہیں وہ منکر ہوتی ہیں (دیکھو میزان ذہبی)۔ اور مسند احمد والی حدیث داؤد نے عکرمہ ہی سے سنی اور بیان کی ہے، لہٰذا امام بخاری کے استاد اور ابوداؤد کے فیصلہ کے مطابق بھی یہ منکر ہے۔ اور غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ انکی دلیل صرف صحیح احادیث ہوتی ہیں اسلئے یہ حدیث انکی دلیل نہیں ہوسکتی۔

آثار:- غیر مقلدین کے نزدیک غیر نبی کا قول وفعل حجت نہیں ہے اسلئے دلیل میں وہ آثار پیش کر سکتے ہی نہیں۔ اگر وہ حجت میں آثار پیش کرتے ہیں تو قابلِ قبول نہیں۔

چونکہ غیر مقلدین کے پاس دلائل نہیں ہیں اور وہ خود اپنے مسلک کی کمزوری محسوس کرتے ہیں اسلئے اسپر پردہ ڈالنے کیلئے غلط بیانیوں سے کام لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، اور زبیرؓ، اور جابرؓ، اور دیگر بڑے بڑے صحابہ کرام یہی فرماتے ہیں (یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک کہتے ہیں) جب کہ مخالفین کے امام جنکے انکشاف کی یہ تقلید کر رہے ہیں یعنی علامہ ابن قیمؒ نے اِغَاثَةُ اللَّهْفَانْ میں نہایت صفائی کیساتھ یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سوا اور کسی صحابی سے اس قول کی نقل صحیح ہم کو معلوم نہیں ہوئی اسوجہ سے ہم نے اسکو اختلاف کی وجہوں میں شمار نہیں کیا۔ (اغـــــاثة ص ۱۷۹) (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اَلْاَعْلَامُ الْـمَـرْفُـوْعَةُ)۔ دوسری غلط بیانی یہ کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہی مذہب ہے۔ جب کہ علامہ ابن قیمؒ خود اقرار کرتے ہیں ''اور تحقیق کہ حضرت ابن مسعودؓ وعلیؓ وابن عباسؓ سے اکٹھی تین طلاقوں کا لازم کرنا بے شک وشبہ ثابت ہے (اغاثة ص ۱۷۹)۔

غرض اپنی دلیل میں غیر مقلدین جتنی روایات پیش کرتے ہیں وہ قابلِ حجت نہیں ہیں۔

جمہور کے دلائل

قرآن کریم کا صریح حکم ہے ''فَاِنْ طَلَّقَهَافَلَاتَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُحَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ ترجمہ:- پس اگر اس کو (تین) طلاق دیدے تو اس کیلئے حلال نہیں ہے اس کے بعد جب تک کہ وہ (عورت) دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے'' (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳۰)۔

آیت میں مطلق حکم ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو وہ اس پر حرام ہوجائے گی۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ لیکن غیر مقلدین ایک مجلس کی بحث نکال کر اس آیت کی تخصیص کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ قرآن کریم کا یہ صریح حکم ایسا اجماعی ہے کہ اس کی تخصیص کسی نے نہیں کی۔ جب کہ شوافع کے نزدیک قرآن کریم کی آیت کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے۔ لیکن جو روایات تخصیص کیلئے پیش کی جاتی ہیں وہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ان سے تخصیص کی جائے۔ اس لئے غیر مقلدین کا موقف اس آیت کے خلاف ہے جس کی وجہ سے ان کا کہنا کہ مطلقہ حلال ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

● ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی اسنے دوسرے سے نکاح کرلیا دوسرے شوہر نے قبل خلوت کے طلاق دیدی آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ اب پہلے کیلئے حلال ہوگی یا نہیں، فرمایا نہیں تاوقتیکہ دوسرا شوہر پہلے کیطرح لطف اندوز صحبت نہ ہو پہلے کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ (صحیح بخاری باب من اجا زا لطلاق الثلاث ج ۲ ص ۷۹۱، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۳)

امام بخاری اس حدیث کو باب من اجازا لطلاق الثلاث کے تحت لائے ہیں یعنی تین طلاق کے ایک ساتھ واقع ہونے کی دلیل میں لائے ہیں۔

● ابن ابی شیبہ، بیہقی اور دارقطنی نے حضرت ابن عمرؓ کے طلاق کے مشہور قصہ میں روایت کیا ہے۔ ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! فرمایئے، اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو میرے لئے رجعت کرنا حلال ہوتا یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں، وہ تم سے بائنہ ہوجاتی اور ایسا کرنا گناہ ہوتا، سنن دارقطنی میں اس کی اسنادیوں ہے حَـدَّثَـنَاعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ الْحَا فِظ نَا

مُحَمَّدُبْنُ شَاذَانَ الْجَوْهَرِیُّ نَا مُعَلَّی بْنُ مَنْصُوْرٍنَا شُعَیْبُ بْنُ رُزَیْقٍ اَنَّ عَطَآءَ الْخُرَاسَانِیَّ حَدَّثَهٗ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ نَاعَبْدُاللّٰہ بْنُ عُمَرَ .

حدیث مذکور کی اسناد قوی ہیں اور اس حدیث سے حجت صحیح ہے۔(بعض لوگوں نے اسکی اسناد میں جو کلام کیا ہے نہایت لغو اور اصول محدثین سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الاعلام المرفوعہ ص۱۱.....۱۷)۔

● امام شافعی ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وابن حبان وحاکم ودارقطنی وغیرہ نے حضرت رکانہ سے روایت کیا ہے :حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو بتہ کے ساتھ طلاق دی اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے پوچھا کہ اس لفظ سے تم نے کیا ارادہ کیا ہے انہوں نے کہا ایک طلاق کا آپ نے کہا بخدا؟ انہوں نے کہا بخدا! آپ نے فرمایا کہ جو تم نے ارادہ کیا وہی ہے،اس حدیث کے دوسرے طریق میں ہے کہ آپ نے ان سے تین بار قسم لی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ورنہ رکانہ سے بار بار قسم دے کر یہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی کہ اللّٰہُ مَا اَرَدْتَّ اِلَّا وَاحِدَۃ خدا کی قسم کھا کر کہو کہ ایک کے سوا اور کچھ ارادہ نہیں کیا ہے۔یہ سوال تو جب ہی درست ہوسکتا ہے جب ایک کا ارادہ کرنے سے ایک اور تین کا ارادہ کرنے سے تین واقع ہوں۔اور اگر دونوں صورتوں میں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہو تو ایک اور تین میں سے ایک کی تعیین کرانا بے معنیٰ بات ہوگی (اور حضور ﷺ کے تعلق سے بے معنیٰ سوال کا تصور فضول ہے)۔

ابوداؤد نے اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ھٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ جُرَیْجٍ (یعنی یہ حدیث ابن جریج کی حدیث سے اصح ہے)۔اور دارقطنی نے اس کو ذکر کر کے لکھا ہے قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ (یعنی ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے)۔اور ابن ماجہ نے ص۱۴۹ میں اس کو ذکر کر کے لکھا ہے میں نے اپنے استاذ طنافسی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث کتنی شریف وبہتر ہے۔اور حافظ ابن حجر نے تلخیص ص۳۱۹ میں لکھا ہے اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح

کہا ہے۔ابوداؤد وابن ماجہ ودارقطنی میں اس حدیث کی مشترک اسنادیوں ہے جَرِیْرُبْنُ حَازِمٍ عَنِ الزُّبَیْرِ بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ یَزِیْدَ بْنِ رُکَانَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ جریر بن حازم سے اصحاب صحاح ستہ نے حجت پکڑی ہے(مقدمہ فتح الباری)۔زبیر بن سعید کی ابن معین نے توثیق کی ہے،ہاں نسائی نے انکی تضعیف کی ہے۔مگر اولاً تو ان کی جرح مبہم ہے۔دوسرے وہ متعنت (متشدد) ہیں لہذا ان کی تضعیف نا معتبر ہے۔(حضرت رکانہ کے واقعۂ طلاق سے متعلق ایک دوسری روایت جو مسند احمد میں ہے اس کی سند ضعیف ومجروح ہے اور روایت مرجوح ہے)۔

● دارقطنی نے بروایت عائشہ صدیقہؓ مرفوعاً ذکر کیا ہے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو جب تک وہ عورت کسی دوسرے سے نکاح کر کے ہم صحبت نہ ہو لے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی (ص۴۳۸)۔اس حدیث کی اسنادیوں ہے حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ الْعَلَاءِ نَاابُوْعُبَیْدَۃَ بْنِ اَبِی السَّفَرِنَا اَبُوْاُسَامَۃَ عَنْ زَائِدَۃَ بْنِ قُدَامَۃَعَنْ عَلِیِّ بْنِ زَیْدٍ عَنْ اُمِّ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَۃَ .

بعض لوگوں نے علی بن زید میں کلام کیا ہے۔وہ مسلم وسنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں۔اور ترمذی نے ان کو صدوق (بہت راست گو) کہا ہے۔اور ان کی حدیث کی ایک جگہ تصحیح اور دوسری جگہ تحسین کی ہے۔حافظ ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔اور دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ متروک نہیں ہے ہاں کچھ نرمی ان میں ہے۔بہر حال ان کی حدیث اگر صحیح نہیں تو حسن ضرور ہے۔اور حدیث حسن بھی حجت ہوسکتی ہے۔

● دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی نے اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو اس لفظ سے طلاق دی۔اِذْھَبِیْ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثاً یعنی تو چلی جا تجھ کو تین طلاق ہے۔عائشہ چلی گئیں بعد میں جب حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا کہ عائشہ کو جدائی کا بڑا رنج ہے تو روئے اور فرمایا: اگر میں نے اپنے جد امجد حضور ﷺ سے نہ سنا ہوتا یا یوں فرمایا کہ اگر میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے میرے جد امجد آنحضرت ﷺ سے نہ سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین مبہم (یعنی بیک لفظ) طلاق دیدے یا

تین طہروں میں تین طلاقیں دے تو جب تک وہ عورت دوسرے سے نکاح نہ کرلے پہلے کے لئے حلال نہیں ہوسکتی تو میں عائشہ سے رجعت کرلیتا (ص ۴۳۷)۔

یہ حدیث حسن سے کم نہیں ہے لہٰذا یہ بھی حجت ہوسکتی ہے خصوصاً جب کہ سنن دارقطنی میں یہ حدیث ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے جس سے اس کی تائید ومتابعت حاصل ہوتی ہے۔

● دارقطنی میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے جو شخص بدعی طریقے پر طلاق دے گا چاہے ایک طلاق (مثلاً بحالتِ حیض) دے یا دو تین طلاق بیک لفظ دے تو ہم اس کی بدعت اس کے ساتھ لازم کردیں گے۔ یعنی ان سب صورتوں میں طلاق واقع ہوجائیگی۔

اس حدیث کی اسناد میں اسماعیل بن امیہ واقع ہوئے ہیں۔ یہ اسماعیل بن امیہ دارع بصری ہیں۔ اور انکو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات نے انکو اسماعیل بن امیہ قرشی یا کوفی سمجھ کر کلام کردیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بہرحال یہ حدیث بھی قابلِ احتجاج ہے۔ اور اس کی مؤید ایک دوسری حدیث ہے جو سننِ دارقطنی میں بروایت علیؓ مروی ہے اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ لیکن جو حدیث کسی دوسری حدیث کی تائید کے لئے پیش کی جائے وہ اگر ضعیف بھی ہو تو کچھ حرج نہیں۔

● دارقطنی ومصنف عبدالرزاق وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دے ڈالیں اس کے لڑکوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا اور پوچھا کہ اب کوئی مخلص ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ اللہ سے ڈرتا ہوتا تو اللہ اس کے لئے کوئی مخلص نکالتا۔ (جاؤ) اس کی بیوی تین طلاقوں سے بائنہ ہوگئی اور نوسو ستانوے طلاقوں کا گناہ تمہارے باپ کے گردن پر رہا۔

دوسری اسناد اس حدیث کی یوں ہے عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ الْوَلِیْدِ الْوَصَّا فِیُّ عَنْ دَاوٗدَ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ. یہ حدیث بطور تائید کے ہے اس لئے اگر ضعیف بھی ہو تو مضر نہیں۔

● شعبیؒ کہتے ہیں میں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا کہ مجھ سے اپنے طلاق کا قصہ بیان کیجئے۔ انہوں

نے کہا میرے شوہر یمن گئے ہوئے تھے وہیں سے انہوں نے مجھ کو تین طلاقیں بھیج دیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان تینوں طلاقوں کے واقع ہوجانے کا فتویٰ دیا۔ (ابن ماجہ بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ ص ۱۴۷)

اس روایت کو ابن ماجہ نے ''بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ یعنی یہ باب ہے اس شخص کے بارے میں جس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں'' اس روایت کے علاوہ صحاح وخارج صحاح کی متعدد روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں ایک ہی وقت میں دی تھیں۔

وقوع ثلاث پر صحابۂ کرام کا اجماع

فتح القدیر میں ہے کہ تین طلاقیں واقع ہونیکا حکم اجماعی اور حق ہے، لہٰذا اسکے خلاف کرنے میں سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں، اگر کوئی قاضیٔ شرع اس کے خلاف فتویٰ دے تو معتبر نہیں، مردود وباطل ہے کیونکہ تین طلاقیں واقع ہوجانے کا مسئلہ اجتہادی نہیں اجماعی ہے (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۰)۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں، پس راجح دونوں مقام میں (یعنی بحث متعہ اور طلاق میں) متعہ کی حرمت اور تین طلاقوں کا وقوع اس اجماع کیوجہ سے جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں منعقد ہوا اور کسی کو یاد نہیں کہ ان میں سے کسی مسئلہ میں کسی نے انکے زمانہ میں مخالفت کی ہو۔ صحابہ کا اجماع دلالت کرتا ہے کہ ضرور کوئی ناسخ تھا جو اس سے پہلے اگرچہ بعض لوگوں پر مخفی رہا ہو لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں سب پر ظاہر ہوگیا۔ پس اس اجماع کے بعد جو مخالفت کرے وہ اجماع کا مخالف ہے اور اتفاق کے بعد اختلاف پیدا کرنے والے کا جمہور قطعاً اعتبار نہیں کرتے۔

لمحۂ فکریہ

فرقۂ اہل حدیث کی قسموں میں سے ایک قسم طلاقی اہل حدیث بھی ہے۔ کہ عورت کو تین طلاق دیدیا اور صرف اس عورت کو رکھنے کیلئے اپنا مسلک تبدیل کر کے اہل حدیث بن گئے۔ معاشرے میں اس قسم کے کچھ واقعات رونما ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم کی رو سے تین طلاق دینے کے بعد عورت حرام ہوگئی، بغیر شرعی حلالہ کے اس کیلئے حلال نہیں ہوگی۔ لیکن فرقۂ اہل حدیث کے پاس سے فتویٰ لے آتے ہیں اور عورت ایسے ہی رکھ لیتے ہیں، اور زندگی بھر حرام کاری کرتے ہیں۔ اولاد بھی حرام کی پیدا ہوتی ہیں۔ اسطرح معاشرہ کو خراب کرتے رہتے ہیں۔ معاشرہ کو صحت مند رکھنے کیلئے اسپر گرفت ضروری ہے۔ آخرت کے لحاظ سے بھی بڑی خرابی کا اندیشہ ہے۔

ایک عالم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص حنفی ہے اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی لیکن غیر مقلد بن کر بیوی رکھ لی اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟۔ جواب دیا کہ مجھے اس شخص پر موت کے وقت ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے۔ غالباً اسلئے ایسا کہا ہوگا کہ اس شخص نے عورت کیلئے حرام کو حلال کرلیا۔

قبر اطہر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اصول بیان فرمادیا کہ "کلُّ نفسٍ ذائقۃُ الْمَوْت" ترجمہ: ہر ایک نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اس لئے ہر مخلوق کو موت لازم ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں۔ حیٌّ قیوم صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ دنیا میں انسان جسم اور روح کا مرکب ہے۔ جب جسم سے روح نکل جاتی ہے تو اس کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ ہمارے سامنے انسان کے تین ادوار ہیں۔ ایک دنیا جسے عالم شہادہ کہا جاتا ہے۔ دوسرا عالم برزخ تیسرا آخرت۔ دنیا میں مرکب تو جسم اور روح کا ہوتا ہے لیکن جسم غالب ہوتا ہے۔

عالم برزخ میں بھی جسم اور روح کا مرکب ہوتا ہے کیوں کہ موت کے بعد عالم برزخ میں روح کا تعلق جسم سے یا جسم کے اجزاء سے کردیا جاتا ہے روح غالب ہوتی ہے جسم مغلوب ہوتا ہے۔ جیسے سونے والے کا حال ہوتا ہے کہ اس کا جسم تو پڑا ہوتا ہے بستر پر لیکن روح سیر کرتے رہتی ہے اور روح کے ساتھ راحت یا تکلیف کا معاملہ ہوتا ہے۔ جسم پڑا ہوا رہتا ہے۔ لیکن راحت یا تکلیف کا اثر جسم پر بھی ہوتا ہے حالانکہ وہ سامنے پڑا ہوا ہے اور بعض مرتبہ فرحت کا معاملہ ہوتا ہے اور جسم بھی سرور محسوس کرتا ہے اور بعض مرتبہ سخت گھبراہٹ کا عالم ہوتا ہے جسم پسینے میں شرابور ہوتا ہے وغیرہ۔ اور آخرت میں جسم اور روح دونوں غالب ہوں گے اور انعام اور عذاب کا پورا پورا مزہ انسان چکھے گا۔ عالم برزخ کے سلسلہ میں غیر مقلدین کا عقیدہ اہل سنت والجماعت سے الگ ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد صرف روح پر انعام یا عذاب ہوتا ہے اس کا کوئی تعلق جسم سے نہیں ہوتا۔ جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں یا عالم برزخ میں روح کا تعلق جسم یا جسم کے اجزاء سے قائم کردیا جاتا ہے۔ اس لئے روحانی اور معنوی حیات عامۂ مومنین بلکہ ارواحِ کفار کو بھی حاصل ہے۔ اور غیر مقلدین کا عقیدہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خاص طور پر حضور اکرم ﷺ کے تعلق سے جمیع اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو قبر اطہر میں حیات حسّی اور جسمانی حاصل نہیں ہے۔ اس کی دلیل میں اُن کے پاس صریح آیات یا احادیث موجود نہیں ہیں، بلکہ وہ عالم شہادہ کی موت پر قیاس کر کے عالمِ برزخ کی زندگی اور اس کے انعام وعذاب کا انکار کرتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت:- ''اہل سنت والجماعت کے تمام سلف و خلف کا اسی پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام تغیرات ارضی سے محفوظ ہیں اور عبادت میں مشغول ہیں، یعنی اپنی قبروں میں نماز اور عبادت میں مشغول ہیں۔ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم

کومحسوس نہیں ہوتی ہے لیکن بلاشبہ یہ حیات حسّی اور جسمانی ہے۔اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مومنین بلکہ ارواحِ کفار کو بھی حاصل ہے۔حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات علمائے ملت کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔'' (مدارج النبوت اردو ۳:۶۱، قسط ۱۱)

حافظ جلال الدین سیوطیؒ اپنے رسالہ انباء الاذکیا بحیات الانبیاء میں فرماتے ہیں ''نبی کریم ﷺ کی حیات اپنی قبر اطہر میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات اپنی اپنی قبروں میں علم قطعی اور علم یقینی سے معلوم ہے۔اس لئے کہ حیات انبیاء دلائل سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ اس پر شاہد ہیں۔'' (مجموعہ فتاوی للسیوطی أی الحاوی للفتاوی)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام باحیات ہیں اپنے رب کے پاس، اُن کو روزی بھی پہنچائی جاتی ہے۔(فتح الباری ۳:۴۱۴، عمدۃ القاری ۹:۱۸۱)

دلائل:- اہل سنت والجماعت کے پاس احادیث متواترہ بطور دلیل موجود ہیں جن میں سے چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) مسند ابویعلی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون** ترجمہ: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ نمازوں میں مشغول ہیں۔(مجمع الزوائد ۸:۲۱۱، فیض القدیر شرح جامع الصغیر ۳:۱۸۴)

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تلبیہ پڑھتے دیکھا فرماتے ہیں: **اما موسیٰ کانی أنظر الیه اذا انحدر الوادی یلبی** (صحیح بخاری ۱:۲۱۰، باب التلبیہ)۔اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا اور حج کرنا ثابت ہوا۔

(۳) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے میرا گذر ہوا وہ سُرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔(صحیح مسلم ۲:۲۶۸، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)

(۴) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے اوپر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجا کرو کہ جمعہ کا دن یوم مشہود ہے، ملائکہ بکثرت حاضر ہوتے ہیں، جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اُس کے فارغ ہوتے ہی اُس کا درود مجھ پر پہنچا دیا جاتا ہے۔حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، کیا موت کے بعد بھی آپ پر ہمارا درود پیش ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (ہاں) موت کے بعد بھی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسم کو کھائے، پس اللہ کا ہر نبی قبر میں زندہ ہوتا ہے، اللہ کی طرف سے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۱۱۸، فی آخر الجنائز)

(۵) حضرت اوس بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے اُس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اُس میں نفخہ اور صعقہ بھی ہوگا، تو تم میرے اوپر (اس روز) کثرت سے درود بھیجا کرو، بلاشبہ تمہارا درود میرے اوپر پیش کیا جاتا ہے، ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمارے درود کیسے آپ پر پیش کئے جائیں گے، حالانکہ وفات کے بعد آپ کا جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔(ابوداؤد ۱:۱۵۰، ابن ماجہ ۱:۱۱۸، معجم طبرانی کبیر ۱:۲۱۷، حدیث نمبر ۵۸۹، سنن نسائی، ۱:۱۵۴، مستدرک حاکم ۱:۴۱۳، کتاب الجمعہ)

(۶) ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنے مکان کے کیواڑ بنوائے تو یہ حکم دیا کہ کیواڑ مدینہ سے باہر بنائے جائیں تاکہ ان کے بنانے کی آواز مسجد نبویؐ میں نہ آوے، اور اُس آواز کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کو تکلیف نہ ہو۔(زرقانی شرح مواہب ۸:۳۰۴)

(۷) حضرت سعید ابن میبّبؒ سے روایت ہے کہ جن دنوں میں واقعہ حرہ پیش آیا مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی متنفس موجود نہ تھا، ان ایام میں جب بھی نماز کا وقت آجاتا تو قبر مبارک سے اذان کو سنتا، اس کے مطابق نماز ادا کرتا، تین دن مسجد نبوی میں نماز نہیں ہوئی، میں قبر مبارک سے اذان کی آواز سن کر نماز پڑھتا تھا۔(زرقانی ۵:۳۳۲)

مذکورہ تمام روایات سے یہ بخوبی واضح ہوگیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں زندہ ہیں اور اُن کے اجسام بوسیدہ وبالیدہ ہونے سے محفوظ ہیں اور وفات کے بعد عبادات سے معطل نہیں ہوئے، بلکہ نماز پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو رزق ملتا ہے اور قبر اطہر پر جو شخص حاضر ہوکر سلام عرض کرتا ہے اُس کو خود سنتے ہیں۔ اور اُمت کے اعمال آپ ﷺ پر قبر میں پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ تمام روایات اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی حیات جسمانی ہے۔ اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے، غرض یہ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ وفات کے بعد آپ ﷺ کا اصل مستقر قبر اطہر ہے کہ جہاں آپ کا جسدِ اطہر محفوظ ہے نہ کہ آسمان۔

روضۂ اطہر کی زیارت

اہل سنت والجماعت:- جمیع اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت مستحب ہے۔

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت جائز نہیں بلکہ بدعت ہے۔

روضۂ اطہر کی زیارت کے مستحب ہونے کے دلائل وتفاصیل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی فضائل حج، آٹھویں فصل زیارت مدینہ، فضائل اعمال حصہ دوم میں اور حج کی دیگر کتابوں میں بالتفصیل درج ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے

اہل سنت والجماعت:- اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ بلا مکان اور بلا جہت اور بلا حد اور بلا کیفیت عرش پر قائم ہے، جو اُس کی شان کے لائق ہے۔ عرش عظیم باری تعالیٰ کا جلوہ گاہ ہے، اُس کا مستقر اور جاءِ قرار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے، اپنے آثار وصفات اور ذات کے انوار کے اعتبار سے نہ کہ ذات کے اعتبار سے۔

غیر مقلدین:- اِن کا عقیدہ ہے کہ چوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ عرش معلیٰ پر ہے اس لئے وہ کہیں اور موجود نہیں صرف عرش پر ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل

● قرآن کریم میں وارد ہے ''**الرحمٰن علی العرش استویٰ** ترجمہ: وہ بڑا مہربان اور عرش پر قائم ہوا''۔ استویٰ علی العرش کی صفت پورے قرآن شریف میں سات مقام میں آئی ہے (۱) الاعراف:۵۴ (۲) یونس:۳ (۳) الرعد:۲ (۴) طٰہٰ:۵ (۵) الفرقان:۵۹ (۶) الٓمٓ سجدہ:۴ (۷) الحدید:۴۔ ''الرحمٰن علی العرش استویٰ'' کے معنی میں شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے، جو کہ اجماع امت کے خلاف ہے اور اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ عرش کے بالکل برابر ہے نہ چھوٹا نہ بڑا (فتاویٰ حدیثیہ ص:۸۷) (العیاذ باللہ)۔ اس تفرد کے قائل اہلسنت والجماعت میں سے نہ اُن سے پہلے کوئی ہوا اور نہ بعد میں۔ لیکن آج کل کے غیر مقلدین اِسی کے قائل ہیں اور وہ اسی سے قیاس کرتے ہیں کہ چوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اس لئے وہیں ہے دوسری کسی جگہ حاضر نہیں ہے (**نعوذ باللہ من ذالک**)۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوقات کی طرح ماننا ہوا غیر مقلدین کا عقیدہ ایک گمراہ فرقہ مجسمیہ کے طرح ہے۔ اس جگہ غیر مقلدین دو اصولوں کی مخالفت کرتے ہیں (۱) آیات متشابہات کا مطلب اخذ نہ کیا جائے۔ لیکن غیر مقلدین مطلب اخذ کرتے ہیں (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخلوق میں غور کرو اور خالق میں غور نہ کرو اور وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنتَھٰی کی تفسیر یہی ہے کہ پروردگار میں غور کرو فکر نہیں۔ غیر مقلدین اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور کرتے ہیں۔

''استویٰ علی العرش'' عرش پر جلوس وقرار پکڑنا ایسا مراد لینا درست نہیں کیوں کہ اس کے فساد و بطلان پر متعدد دلائل عقلیہ ونقلیہ (آیات وروایات) موجود ہیں۔جن میں سے چند ملاحظہ ہوں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قل ھو اللّٰہ احد** (سورہ اخلاص:۱) یعنی اے پیغمبر اسلام آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت احد ہے۔احد اللہ تعالیٰ کی ذات کے واحد ہونے پر بطور مبالغہ دلالت کرتا ہے۔اب اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر جلوس وتمکن کے ساتھ متصف مان لیا جائے تو وہ ذات جس سے عرش بھر جاتی ہے اور عرش سے بڑھ جاتی ہے تو وہ عرش کے اجزاء سے بہت سارے اجزاء سے مرکب ہوگی۔جو کہ صفت احدیت کے منافی ہے (تفسیر روح المعانی ۱۶:۱۵۶،تفسیر رازی ۷:۱۱۸)

(۲) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذٍ ثمانیہ** ترجمہ: کہ اُس روز تمہارے پروردگار کے عرش کو آٹھ لوگ اٹھائے ہوئے ہوں گے (المعارج پارہ:۲۹)۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھا اور قرار پکڑنے والا قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے اللہ تعالیٰ کو اٹھائے ہوئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عرش کو اٹھائے ہوئے ہے نہ کہ عرش اللہ تعالیٰ کو اٹھائے ہوئے ہے۔عرش اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور پیدا کردہ ایک جسم ہے جو محدود اور متناہی ہے یہ ناممکن ہے اور محال ہے کہ کوئی شئے خالق کو اٹھا سکے اور تھام سکے۔(تفسیر رازی ۷:۱۱۹،تفسیر روح المعانی ۶۱:۱۵۶،سورۂ طٰہٰ)

(۳) ارشاد خداوندی ہے: **وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ** ترجمہ: اور اللہ بے نیاز ہے (سورہ محمد پارہ:۲۶)۔اللہ تعالیٰ کے بے نیاز اور محتاج نہ ہونے کا حکم مطلقاً موجود ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے بے نیاز اور کسی بھی چیز کا محتاج نہیں ہے۔جب اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے تو مکان اور جہت سے بھی ضرور بے نیاز ہوگا۔(تفسیر رازی ۷:۱۱۹)

(۴) امام حرمینؒ نے ارشاد فرمایا کہ جب آپ ﷺ معراج میں جس بلند و بالا مقام تک اللہ تعالیٰ

کی اذن واجازت اور اُس کی منشاء کے مطابق گئے تو وہاں ارشاد فرمایا: **لاأحصی ثناء علیک أنت کماأثنیت علی نفسک** ترجمہ: کہ میں آپ کی حمد وستائش کا احصا نہیں کرسکتا آپ ویسے ہی ہیں جیسا کہ خود آپ نے ثناء بیان فرمائی ہے (صحیح مسلم ۱:۱۹۲ باب مایقال عند الرکوع والسجود،ترمذی ۲:۱۸۷ الدعوات باب ماجاء فی عقد التسبیح)

اور جب حضرت یونس علیہ السلام آزمائش میں مبتلاء ہوئے،سمندر کی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں تو دعاء کی اور کہا: **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین** (الانبیاء پارہ:۱۷) ہر ایک نے **أنت** کے صیغہ سے جو مخاطب کا صیغہ ہے خطاب فرمایا ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی مکان میں ہوتا تو حضور اور مخاطب کے صیغہ سے خطاب کرنا صحیح نہیں ہوتا،تو اس خطاب نے دلالت کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک مکان میں مستقر اور موجود نہیں ہیں۔اگر کوئی اعتراض کرے کہ پھر ہر جگہ موجود ہونگے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر جگہ میں اپنے آثار وصفات اور ذات کے انوار کے اعتبار سے موجود ہے نہ کہ ذات کے اعتبار سے۔

مثال: جیسے کہ سورج ہر جگہ موجود ہے اپنے نور اور ظہور کے اعتبار سے نہ کہ اپنے وجود اور ذات کے اعتبار سے۔اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنی ذات کے اعتبار سے موجود ہے جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے تو اس عالم کی تخلیق سے قبل کہاں موجود تھا۔(مذکورہ مثال صرف انسانی فہم کے ادراک کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے)۔

● ایک روایت میں ہے کہ'' اے میرے پروردگار! آپ آسمان میں ہیں اور ہم بندے زمین پر ہیں تو آپ سے رضا وغضب (خوشی وناراضگی) کی کیا پہچان ہے تو ارشاد فرمایا کہ جب میں تم پر تمہارے اچھے لوگوں کو مقرر کردوں اور عامل وحاکم بنادوں تو یہ میرے تم سے راضی وخوش ہونے کی علامت ونشانی ہے اور جب میں تم پر تمہارے بدترین لوگوں کو مسلط کردوں تو یہ میرے تم سے ناراض ہونے کی علامت اور پہچان ہے۔(تفسیر روح البیان ۵:۴۳۵)

● دوسری روایت میں جو حضرت معاویہ بن الحکم کی باندی کے بارے میں ہے آپ ﷺ نے اس

سے امتحاناً پوچھا: **اَین اللّٰہ فقالت فی السماء فقال من انا فقالت انت رسول اللّٰہ فقال اعتقھا فانھا مؤمنۃ۔**

یعنی اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟ اس نے کہا آسمان میں۔ فرمایا میں کون ہوں؟ عرض کیا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو آزاد کردو یہ مؤمنہ ہے (صحیح مسلم ۱: ۷۶ باب **تحریم الکلام فی الصلاۃ**، ابوداؤد ۱: ۱۳۴ باب تشمیت العاطس)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ثابت ہے تو ان جیسے نصوص سے ان کا ظاہر مراد نہیں بلکہ یہ اپنے ظاہری مراد سے عدول کیے ہوئے ہیں۔ دراصل آسمان ہر بلند و بالا چیز کو کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بادل کو سماء کہا ہے، ارشاد خداوندی ہے: **وینزل من السماء ماءً لیطھر کم بہ** ترجمہ: کہ آسمان سے پانی برساتا ہے تاکہ تم کو اس کے ذریعہ سے پاک کردے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو آسمان کہا ہے۔ جب یہ بات ہے کہ ہر بلند و بالا چیز کو آسمان کہا جاتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ عرش پر موجود و مستقر ہوں تو ساکنین عرش کے لئے اللہ کی ذات سماء کہلائے گی اور آسمان کے بارے میں بیشمار آیتوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خالق ہیں اس سے خود اپنی ذات کا خالق ہونا لازم آئیگا جو کہ محال و باطل ہے (تفسیر الرزای ۷: ۱۲۰)۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے ''**وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض**'' تو معلوم ہوا کہ عرش تو آسمانوں کو اور زمینوں کو بھی گھیرے ہوئے ہے تو پھر اُس کی ذات صرف آسمان تک کیوں محدود ہے؟ اس آیت کے ظاہری معنی سے تو زمینوں پر بھی ہونا چاہئے (**نعوذ باللّٰہ من ذالک**)۔

اسی طرح اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ صرف عرش پر ہے اور کہیں نہیں ہے تو پھر صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات میں (تہجد کے وقت) آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں (کنز العمال ۲: ۱۰۴، حدیث نمبر ۳۳۵۳، وغیرہ دیگر احادیث)۔

اگر نزول کے ظاہری معنیٰ لیا جائے تو معلوم ہوا کہ رات میں یا تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ پہلے آسمان پر نازل ہوتا ہے۔ اگر دنیا کے تمام مقامات کے اوقات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا ۲۴/ گھنٹہ میں دنیا کے کسی نہ کسی مقام پر تہجد کا وقت ہوتا ہے تو پھر اِس سے ثابت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت پہلے آسمان پر رہتا ہے پھر غیر مقلدین کی منطق کے مطابق اگر پہلے آسمان پر ہی ہے تو کسی جگہ نہیں ہے صرف پہلے آسمان پر ہے پھر عرش پر رہنے کا کیا مطلب ہوگا؟ (**نعوذ باللہ من ذالک**)۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے انوار کی تجلیات کے مظہر کو بتلانے کے لئے عرش کی طرف اپنی نسبت بیان فرمائی، تاکہ بندے اپنے قلوب کے اعتبار سے آسمان میں عبادت و دعا میں اس کی طرف متوجہ ہوں، اسی طرح زمین میں کس طرف متوجہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ مقرر کیا تاکہ لوگ جان سکیں کہ اپنے جسموں کے اعتبار سے اپنی عبادت و بندگی میں زمین میں کہاں متوجہ ہوں، اسلئے اللہ تعالیٰ کی طرف اس گھر کی نسبت کی گئی، اور اس کو بیت اللہ (یعنی اللہ کا گھر) کہا گیا، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نہ تو مسکن (رہنے کی جگہ) اور نہ وہ اُس سے گرمی و سردی سے منتفع ہوتا ہے۔

استویٰ علی العرش سے مراد کیا؟:- حضرت قفال مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کائنات عالم میں عرش سے بڑی کوئی مخلوق نہیں ہے۔ عرش عظیم اس قدر عظیم ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور خداوند ذوالجلال کی اول مخلوقات سے ہے اور اس کی شان شہنشاہی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے، تمام احکام اور تدابیر کا نزول عرش ہی سے ہوتا ہے، استواء علی العرش سے دنیاوی بادشاہوں کی طرح ظاہری اور حسی طور پر تخت نشینی مراد نہیں ہے، بلکہ بطور کنایہ اپنی شہنشاہی اور احکم الحاکمینی کو بیان کرنا ہے کہ آسمان و زمین پیدا کرنے کے بعد تمام کائنات میں اس کے مالکانہ اور شہنشانہ تصرفات اور تدابیر اور احکام جاری ہو رہے ہیں جیسا کہ سورۂ یونس اور سورۂ رعد میں **استواء علی العرش** کے بعد ''یدبر'' کا لفظ آیا ہے۔ سو یہ جملہ **استواء علی العرش** کی تفسیر ہے۔ اور سورۂ اعراف میں **استواء علی العرش** کے بعد **یغشی اللیل النھار** کا لفظ

آیا ہے یہ بھی تدبیر اور تصرف اور اقتدار کامل بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب اور تمام ستارے سب ہی اس کے حکم کے سامنے مسخر ہیں۔گویا کہ **استواء علی العرش** کے بعد ''**یدبر الامر**'' کا لفظ اس کی تفسیر کر رہا ہے کہ استواء سے مراد تدبیر وتصرف اور اقتدار کامل مراد ہے (مستفاد معارف القرآن ۳:۱۳۵)۔

اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے اِس کے دلائل:۔ قرآنِ کریم کی صریح آیات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْر**'' ترجمہ: اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔ (سورۂ حدید آیت نمبر ۴ پارہ نمبر ۲۷)۔**اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ج ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم**'' ترجمہ: کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں رہتی جس میں چوتھا وہ (یعنی اللہ) نہ ہو اور نہ پانچ کی (سرگوشی) ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس (عدد) سے کم (میں) ہوتی ہے اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ (ہر حالت) میں ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں پھر اُن (سب) کو قیامت کے روز ان کے کیے ہوئے کام بتلا دے گا۔ بے شک اللہ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔ (سورہ المجادلۃ آیت نمبر ۷ پارہ نمبر ۲۸) **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ج وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ** o ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ

اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ۔ (سورۂ قٓ آیت نمبر ۲۶) اسی طرح آیت ''**اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْد**'' o اور دیگر آیات ہیں انہیں آیات کی بناء پر ہر شخص کو چاہئے کہ وہ کائنات میں کہیں بھی ہو یہ عقیدہ رکھے کہ ''اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے۔''

تشکیک غیر مقلدین

غیر مقلدین کے سامنے جب قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی ﷺ بطور دلیل پیش کر دی جاتی ہیں تو اُن کا وطیرہ ہوتا ہے تو وہ ایسے سوالات کرتے ہیں تاکہ اہلسنت والجماعت شکوک میں مبتلاء ہوں۔ چنانچہ جب یہ طے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ میں اپنے آثار وصفات اور ذات کے انوار کے اعتبار سے موجود ہے نہ کہ ذات کے اعتبار سے۔ پھر تشکیک کے لئے وہ سوال کرتے ہیں:

سوال:۔ ''کیا اللہ تعالیٰ بیت الخلاء میں بھی موجود ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ فلاں جگہ بھی موجود ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔''

جواب:۔ چنانچہ جب یہ طے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ میں اپنے آثار وصفات اور ذات کے انوار کے اعتبار سے موجود ہے نہ کہ ذات کے اعتبار سے۔ اِن کا یہ سوال مشرکین اور ہندوؤں کا عقیدہ کی ترجمانی کرتا ہے، کیوں کہ اُن کا عقیدہ ہے کہ اُن کا بھگوان منتقل ہوتا ہے اور کسی جگہ یا جسم میں حلول کرتا ہے اس لئے وہ بیت الخلاء اور دیگر جگہوں کے بارے میں سوالات کرتے ہیں۔ جبکہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انتقال (منتقل ہونے) اور حلول سے پاک ہیں۔ اُن کے یہ سوالات صرف ابلہ فریبی اور تشکیک کے لئے ہیں، نیز بیت الخلاء یا کسی مخصوص جگہ کا سوال کر کے غیر مقلدین اللہ تعالیٰ کے مکانی ہونے کا خیال پیش کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔

غیر مقلدین کا عقیدہ اس کے برخلاف ہے تو بڑی حیرت اور افسوس کی بات ہے۔ کچھ لوگ ہیں جو مخلوق کو بھی حاضر وناظر مانتے ہیں اور آپ حضرات ہیں کہ خالق کو حاضر وناظر نہیں مانتے۔ اگر ایسا ہے تو آپ درج ذیل سوالات کے جوابات دیجئے۔

(۱) قرآنِ کریم کی آیت یا صحیح حدیث میں بتائیے کہ ''اللہ ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہے۔''

(۲) قرآن کریم کی آیت یا صحیح حدیث میں بتائیے کہ ''اللہ غائب ہے۔''

(۳) بریلوی حضرات جب ''یارسول اللہ'' کہتے ہیں تو آپ حضرات ان پر شرک کا الزام لگاتے ہیں، جب آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ غائب ہے تو آپ ''یااللہ''۔ ''یارب'' وغیرہ الفاظ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ غائب کو ''یا'' سے مخاطب کرنے پر اپنے آپ پر کیا فتویٰ دیں گے؟

اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کے متعلق حضرت تھانویؒ کی تحقیق

سوال:- ہم میں سے ایک فریق کہتا ہے کہ خدا کسی مقام پر جلوہ فرما نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے، اب رہا یہ کہ کیسے اور کس طرح یہ ہمارے ادراک سے باہر ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ حق تعالیٰ عرش معلیٰ پر ہیں ان میں سے کون سا فریق حق پر ہے؟

جواب:- مسئلہ نازک ہے اس لئے اُس میں بحث جائز نہیں ہے لیکن شوق دیکھ کر عرض کرتا ہوں کہ فریق اول کی مراد اگر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ مثل ہوا کے پھیلا ہوا ہے تب تو غلط ہے کیوں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا مکانی ہونا لازم آتا ہے، اگر یہ مطلب ہے کہ اُس کی تجلی جیسی کہ اُس کی ذات منزہ کی شان کے زیبا ہے عرش کے ساتھ خاص نہیں ہے سو یہ مسئلہ کسی نقل قطعی الدلالۃ یا کسی دلیل عقلی کے خلاف نہیں ہے۔

اسی طرح فریق ثانی کی اگر یہ مراد ہے کہ عرش حق تعالیٰ کے لئے مکان اور حیز ہے تو اس میں بھی نقص لازم آتا ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ اس کی کچھ خصوصیت عرش کے ساتھ ایسی ہے جو ادراک فہم سے عالی ہے تو ظاہر نصوص کے موافق ہے۔ باقی اسلم یہی ہے کہ اس میں گفتگو نہ کی جاوے اور حقیقت کو خدا تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔ (امداد الفتاویٰ ۶:۲۲، جامع الفتاویٰ ۱:۱۱۰)

جھاڑ پھونک (دَم، تعویذ) کی شرعی حیثیت

دنیا میں عام طور پر بیماریوں کے علاج کے دو طریقے ہیں (۱) دوا (۲) جھاڑ پھونک یا دم، تعویذ۔ عربی میں اسے ''رُقْیَہ'' کہا جاتا ہے۔ رُقیہ میں دم (پھونکنا) اور تعویذات دونوں آجاتے ہیں۔ چوں کہ دوا اور رقیہ دونوں دنیاوی طریقۂ علاج ہیں اس لئے ان کا شرعی دلیلوں سے ثابت ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیسے بخار کی دوا کے لئے اس کا نسخہ، اجزاء، اوزان، طریقۂ استعمال اور پرہیز کا دلائل شرعیہ سے ثابت ہونا ضروری نہیں ہے اسی طرح جھاڑ پھونک یا دَم تعویذ کا بھی دلائل شرعیہ سے ثابت ہونا ضروری نہیں ہے۔ جس طرح بعض بیماریوں کی دواؤں کا ذکر بعض احادیث میں ملتا ہے لیکن بہت سی دواؤں کا نہیں ملتا۔ اسی طرح بعض دم، تعویذ کا ذکر احادیث میں ملتا ہے اور بعض کا نہیں ملتا۔ چوں کہ دَم تعویذ ایک دنیاوی طریقۂ علاج ہے دینی احکام نہیں اس لئے ان کیلئے شرعی دلائل کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کُتُب احادیث وفقہ میں ''کتاب البیوع'' کا باب ہے۔ یہ تجارت اور آپس کا لین دین ایک دنیاوی ضرورت ہے۔ اس لئے اپنی عُرف عادت پر جس طرح کوئی تجارت کرے درست ہے ہاں اگر اس میں سُود یا جوا آگیا تو اس کی ممانعت ہوگی۔ اسی طرح کُتُب احادیث وفقہ میں کتاب الرُّقیۃ کا باب ہوتا ہے۔ جس طرح جائز غذا جائز اور ناجائز غذا ناجائز، جائز دوا جائز ناجائز دوا ناجائز اسی طرح جائز دم جائز، ناجائز دم ناجائز ہے۔ اسی طرح جائز تعویذ جائز اور ناجائز تعویذ ناجائز ہے۔ اگر دم اور تعویذ میں شرکیہ مضمون ہے تو شرک ہے اور اگر حرام مضمون ہے تو حرام ہے اور جائز کام کیلئے جائز مضمون ہے تو جائز ہے۔

اہل سنت والجماعت:- اہل سنت والجماعت کے نزدیک رُقیہ یعنی دَم اور تعویذ کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ ''وہ مباح ہے''۔ ان سے بچنا توکل ہے۔

غیر مقلدین:- ان کے نزدیک رُقیہ یعنی جھاڑ پھونک حرام ہے۔ اور تعویذ لٹکانا شرک ہے۔

غیر مقلدین دم کرنے کو حرام کہتے ہیں، جبکہ صحیح احادیث میں نہ صرف دَم (پھونک) کی

اجازت ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دَم کیا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ جب بیمار ہوتے تو معوذتین پڑھ کر دم فرمالیتے تھے۔ (صحیح بخاری ۲:۷۵۰ باب فضل المعوذات، صحیح مسلم ۲:۲۲۳، ابوداؤد ۲:۵۴۵)

یزید بن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن الاکوع کی پنڈلی میں زخم کا نشان دیکھ کر اس کی تحقیق کی تو فرمایا کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر مجھے زخم لگ گیا تھا، لوگ کہنے لگے کہ سلمہ تو اب ہلاک ہوجائے گا، میں حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے تین مرتبہ اس پر دم کیا (اس کے بعد سے) آج تک مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی (صحیح بخاری ۲:۶۰۵، ابوداؤد ۲:۵۴۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب نماز فجر سے فارغ ہوجاتے تھے تو آپ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ کے غلام باندیاں اپنے اپنے برتن لاتے تھے جن میں پانی ہوتا تھا (برکت وعافیت وشفا کی غرض سے) جب بھی کوئی برتن لایا جاتا، تو اس میں آپ اپنا دست مبارک ڈالتے، بسا اوقات صبح کو ٹھنڈا پانی ہوتا تھا، پھر بھی آپ ﷺ (ان کی دلجوئی ان کی مقصد برآری کے لئے) اپنے دست مبارک کو ضرور ڈالتے تھے (صحیح مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ ص ۵۱۹)۔

اس قسم کی کثیر روایات موجود ہیں جن سے رقیہ یعنی جھاڑ پھونک (دَم اور تعویذ دونوں) کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ جن روایات سے جھاڑ پھونک کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اُس سے مراد شرکیہ کلمات والے تعویذات اور گنڈے ہیں۔ لیکن جس دَم اور تعویذ میں شرکیہ کلمات نہ ہوں اُن کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح صریح میں صاف طور سے موجود ہے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں پھونک جھاڑ کیا کرتے تھے، ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا زمانہ جاہلیت والے رقیہ (جھاڑ پھونک) میں حضرت کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے رُقیوں (جھاڑ پھونک) کو میرے

سامنے پیش کرو۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: جھاڑ پھونک میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک وہ شرکیہ کلمات پر مشتمل نہ ہوں (صحیح مسلم ۲:۲۲۴، ابوداؤد ۲:۵۴۲، حاکم ۴:۲۳۶)۔

جب صریح احادیث سے ثابت ہوگیا کہ جھاڑ پھونک میں کوئی حرج نہیں ہے تو اپنے وطیرے کے مطابق غیر مقلدین ایسے اشکالات پیش کرتے ہیں جن سے شک قائم رہے۔ جھاڑ پھونک میں تعویذات بھی آگئے۔ محدثین نے تعویذ کی اُجرت کے باب کے ذیل میں رُقیہ (دَم) کی احادیث پیش کی ہیں جو اِس بات کا ثبوت ہے کہ رُقیہ میں دَم، تعویذ دونوں آگئے۔ لیکن غیر مقلدین اُسے الگ کرکے اپنی تاویلات کو احادیث پر مسلط کرتے ہیں اور اُنہیں حرام بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآنی آیات پڑھ کر دم کرنے کا احادیث طیبہ میں ذکر ہے، حضور اکرم ﷺ، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور بعد کے علماء کا معمول رہا ہے۔ تعویذ بھی اسی کی ایک شکل ہے، جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی سوتے ہوئے ڈر جائے تو یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کے غضب، اس کے عذاب اس کے بندوں کی برائی اور شیاطین کے وسوسوں اور ان کے پاس آنے سے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ یہ دعاء اپنے سمجھ دار بچوں کو سکھا دیتے تھے اور ناسمجھ بچوں کیلئے اس کو کاغذ میں لکھ کر ان کی گردن میں ڈال دیتے تھے (ترمذی ۲:۱۹۲ ابواب الدعوات، ابوداؤد ۲:۵۴۳ کتاب الطب، مستدرک حاکم ۱:۷۳۳، مصنف ابن شیبہ ۵:۴۳۹ کتاب الطب، مسند احمد: ۱۸۲)۔

صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال جمیع اہل سنت والجماعت کے نزدیک حجت ہیں اور مذکورہ بالا روایات میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کا فعل تعویذ کے لٹکانے کا جواز ثابت کرتا ہے۔ غیر مقلدین بڑے طمطراق سے کہتے ہیں کہ تعویذ لٹکانا شرک ہے۔ جب اُن سے دلیل پوچھی جاتی ہے تو وہ روایت پیش کرتے ہیں ''جس نے تمیمہ لٹکایا اُس نے شرک کیا''۔ اور اپنے قیاس سے یا اہل لغت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ تمیمہ تعویذ ہے یہ صرف غیر مقلدین کا قیاس ہے۔ قرآن کریم کی کسی آیت سے یا کسی صریح حدیث سے وہ ثابت نہیں کرسکتے کہ تمیمہ

تعویذ ہے۔زمانۂ جاہلیت میں مشرکین اپنے گلے میں دفع ضرر کے لئے ''منکا (دانہ)'' لٹکاتے تھے جسے تمیمہ کہتے تھے۔اسی لئے امام لغت قعنبی فرماتے ہیں کہ ''بعض لوگوں کو یہ وہم ہوگیا کہ تعویذ ہی تمائم ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے تمیمہ تو ایک منکا ہے۔'' مرفوع حدیث میں ایک مشہور روایت ہے جسے ''حرز ابی دجانہ'' کہا جاتا ہے، جو کہ تعویذ ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا تا کہ ابودُجانہ کا گھر جنات کے اثرات سے محفوظ رہے۔اگر یہ روایت ضعیف بھی ہوتو بھی قیاس سے بہتر ہے، کیوں کہ اُن کے پاس تمیمہ کے لئے صرف قیاس ہی ہے۔تمیمہ کے لفظ کو غیر شرکیہ تعویذات پر چسپاں کرنا پھر قیاس سے تمیمہ اور تعویذ کو ایک کہہ دینا دراصل ''بات اپنی نام حدیث کا'' کے مصداق ہے۔جبکہ لفظ تعویذ خود عربی لفظ ہے اور اس لفظ کو تعویذ کے لئے ہی احادیث کی کتابوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

بہت سے صحابہ کرام وتابعین سے غیر شرکیہ تعویذ لٹکانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، جن میں چند درج ذیل ہیں؛

ابوعصمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے تعویذ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ تعویذ میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ پکے ہوئے چمڑے میں ہو (غلاف میں ہو)۔(مصنف ابن شیبہ۵:۴۳۹ باب من رخص فی تعلیق التعاویذ)

حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قرآن کریم (کی آیات) پکے ہوئے چمڑے پر لکھنے میں پھر (تعویذ بنا کر) اُس کو (گلے میں) باندھ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ۵:۴۳۹)۔

مشہور تابعی حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کو تعویذ بنا کر باندھنے میں کوئی حرج نہیں ہے (مصنف ابن ابی شیبہ۵:۴۴۰)

مشہور مفسر تابعی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے واسطے تعویذ لکھا کرتے تھے اور اُس کو اُن کے گلے وغیرہ میں باندھ دیتے تھے (مصنف ابن شیبہ۵:۴۳۹، باب من رخص فی تعلیق التعاویذ)۔

غرض جمہور امت کے نزدیک غیر شرکیہ تعویذات جائز ہیں۔صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدین اور محدثین کے نزدیک تو رقیہ (یعنی دم اور تعویذات) تو جائز ہیں ہی، بلکہ اس سے آگے بحث یہ ہے کہ رقیہ پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اکثر کے نزدیک جائز ہے۔صحیح بخاری (ج۱ص۳۰۴) پر امام بخاری نے باب قائم کیا ہے ''**باب مَا يُعطى فى الرقيّه علىٰ اَحيا ءِ العرب بفاتحة الكتاب**'' امام ترمذیؒ نے ج۲ص۲ ابواب الطّب میں باب قائم کیا ہے ''**بابُ مَا جاءَ فى اخذ الاَجرِ على التّعويذ**'' یعنی تعویذ پر اجرت لینے کے بارے میں جو کچھ آیا ہے۔امام ابوداؤدؒ سنن ابوداؤد میں رقیہ پر اجر کی حدیث دو جگہ لائے ہیں ایک ''**باب كسب العلم**'' میں اور دوسرے ''**باب كيفُ الرُّقىٰ**'' میں اور اجرت کا جواز ثابت کیا ہے۔

ایک چیز شریعت میں مباح ہے تو اس کو ناجائز، شرک، بدعت یا حرام کہنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔یہ دنیاوی طریقۂ علاج ہے۔ہر قوم میں ہر زمانے میں رائج رہے ہیں اور ان سے شفاء ثابت ہونا امت میں تواتر سے ثابت ہے اور اس کے مضمون میں نہ شرک بالذات ہو اور نہ شرک بالصفات ہو تو اسے شرک یا حرام کہنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ کوئی آیت یا کوئی حدیث ایسی نہیں ملتی جس میں اللہ تعالیٰ نے یا حضور ﷺ نے غیر شرکیہ مضمون کے دَم یا تعویذ کو حرام کہا ہو اور نہ کسی صحابیؓ کا قول ملتا ہے کہ انہوں نے قرآن یا اسماءِ حسنیٰ کے دَم یا تعویذ کو شرک یا حرام کہا ہو۔بلکہ احادیث کی کتابوں میں ایسے ابواب نقل ہیں جن میں یہ بحث ہے کہ تعویذات کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اکثر نے تعویذات کی اُجرت کو جائز قرار دیا ہے (کیوں کہ یہ دنیاوی طریقۂ علاج ہے)۔لیکن کچھ دنوں سے ایک نئی بدعت جاری ہوئی ہے کہ دَم یا تعویذ کو شرک، حرام وغیرہ کہا جارہا ہے۔جس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

غیر مقلدین کے نزدیک جھاڑ پھونک حرام ہے۔حرام کی دلیل کے لئے اُنہیں قرآن کریم کی صریح آیت یا احادیث متواترہ پیش کرنے کی ضرورت ہے جو غیر مقلدین نہیں پیش کرسکتے۔جبکہ اس کے بالمقابل صحیح مسلم۲:۲۲۴، ابوداؤد۲:۵۴۲، حاکم۴:۲۳۶ کی روایات میں صریحاً موجود ہے

کہ غیر شرکیہ جھاڑ پھونک یعنی دم تعویذات جائز ہیں۔ جب زمانہ جاہلیت کے ایسے جھاڑ پھونک جائز ہیں جو غیر شرکیہ ہیں تو قرآن کریم کی آیات اور احادیث میں مذکورہ دعاؤں سے جھاڑ پھونک کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

بدعت مذکورہ کے نتائج:۔ دَم یا تعویذ کو بلا دلیل شرک یا بدعت کہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مباح چیز کو ناجائز قرار دینے پر اصرار کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے علماء حق پر زبان طعن دراز کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور علماء و فقہاء کا استہزاء کرنا وطیرہ بن جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس بدعت کا عامل غیر مقلدیت (آزاد خیالی) کی گمراہی کی ڈھلان پر قدم رکھ دیتا ہے اور یہیں سے انکار حدیث اور انکار احکامات دین کے فتنے بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس قبیح حرکت سے باز آ جانا چاہئے۔

سوالات: ۱) دم اور تعویذ دنیاوی طریقۂ علاج ہے یا احکام دینیہ سے متعلق ہے اور بدعت کا تعلق امور دنیا سے ہے یا احکام دین سے؟

۲) صرف ایک آیت یا ایک حدیث پیش فرمائیں جس میں حضور اکرم ﷺ نے غیر شرکیہ دَم یا تعویذ کو حرام یا شرک کہا ہو۔

۳) صرف ایک صحابی کا قول پیش فرمائیں جنہوں نے قرآن یا اسماءِ حسنٰی کے دَم یا تعویذات کو شرک یا حرام کہا ہو۔

خوابوں کی شرعی حیثیت

اہل سنت والجماعت:۔ جمیع اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اچھے خواب بیان کرنا چاہئے اسلئے کہ یہ ایمان والوں کے لئے نصیحت، عبرت اور خوشی کا باعث ہیں۔

غیر مقلدین:۔ غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ خوابوں کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

''خواب'' مستقبل کے حالات کے انکشاف کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ جب حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا جسے اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں بیان فرمایا کہ ''وَاِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰاَبَتِ .... اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ'' مُّبِیْنٌ O ترجمہ جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ ابا! میں نے گیارہ ستارے، اور سورج اور چاند دیکھے ہیں، ان کو اپنے روبرو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے انہوں نے فرمایا کہ بیٹا! اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے روبرو بیان مت کرنا، پس وہ تمہارے لئے کوئی خاص تدبیر کریں گے بلاشبہ شیطان آدمی کا صریح دشمن ہے۔ (سورۂ یوسف آیت نمبر ۴،۵)۔ اسی طرح حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ'' : ترجمہ: بشارتوں کے سوا نبوت کی کوئی چیز باقی نہیں رہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ بشارتوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا سچا خواب۔'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۵) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اب خواب کے سوا اہل ایمان کے پاس کوئی چیز باقی نہیں، جس سے مستقبل کے حالات منکشف ہو سکیں۔ (مکاشفات، مراقبات والہامات کی حیثیت بھی ''خواب'' کی ہے)۔ غرض جس طرح ابر بارش پر دلالت کرتا ہے اسی طرح سچے خواب مستقبل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ رسولوں اور انبیاء کے خواب ''وحی'' کی حیثیت رکھتے ہیں اور صالحین کے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں لیکن ان کی صحیح تعبیر ضروری ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے اور برا شیطان کی جانب سے۔'' جب کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے صرف اس شخص سے بیان کرے جس

سے محبت واعتقاد ہے اور جب مکروہ خواب دیکھے تو حق تعالیٰ سے اس خواب کے شر اور شیطان کے فتنہ سے پناہ مانگے۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ بقصد دفعِ شیطان تین بار تھتکارے اور ایسا خواب کسی سے بیان نہ کرے اس حالت میں برا خواب کوئی ضرر نہ دے گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۴، صحیح مسلم)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اپنا خواب دوست یا عالم یا ذی رائے کے سوا کسی سے نہ کہو۔ (ترمذی ج ۲ ص ۵۳-۵۴، ابوداؤد)۔ حضرت سمرہؓ بن جندب سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز صبح کے بعد عموماً صحابہؓ سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کس کس نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کرتا اور حضرت مخبر صادق ﷺ اس کی تعبیر بیان فرماتے۔ (صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۰۳۴)

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے قرآن کریم میں احسن القصص حضرت یوسفؑ کے قصّہ میں ان کا خواب، قربانی کے سلسلے میں حضرت ابراہیمؑ کا خواب وغیرہ متعدد خوابوں کو بیان کیا ہے جو ایمان والوں کے لئے نصیحت، عبرت اور خوشی کا باعث ہیں۔ کتب احادیث میں بہت سے خواب بیان کئے گئے ہیں۔ جن کی تائید حضور اکرم ﷺ کی زبان سے کی گئی مثلاً مسند احمد، ابن ماجہ، نسائی، ابن حبّان، بیہقی، مؤطا امام مالک، ابن خزیمہ اور حاکم وغیرہ میں ایک صحابیؓ کا خواب بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ دو صحابیؓ ایک ساتھ مسلمان ہوئے۔ ان میں ایک صاحبؓ جہاد میں شہید ہوگئے اور دوسرے صاحب کا بعد میں انتقال ہوا۔ لیکن وہ شہید سے پہلے جنت میں داخل ہوگئے۔ حضور ﷺ نے ان صحابیؓ کے خواب کی تائید کی۔

اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہؒ کا حضور اکرم ﷺ کے تعلق سے خواب دیکھنا اور امام بخاریؒ کا بھی حضور ﷺ کے تعلق سے خواب دیکھنا، اسی طرح بہت سے علماء کرام کے خواب، جب بھی شروحات یا کتابیں لکھی جاتی ہیں اکثر خواب ان میں تحریر کیے جاتے ہیں۔ کسی عالم نے کسی کے خواب پر کوئی نکیر نہیں کی۔ لیکن آج کل ایک نئی بدعت جاری ہوگئی ہے کہ فضائل کی اور دیگر کتابوں میں جب کوئی خواب بیان کیا جاتا ہے تو اس پر نکیر کی جاتی ہے۔ اس خواب کو اپنے قیاس سے اور

اپنی لفاظی سے جھوٹا بتایا جاتا ہے۔ جبکہ اس خواب پر نکیر کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہوتی پھر بھی اس خواب کو خلاف شریعت کہا جاتا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ خواب جو کہ ایک غیر اختیاری چیز ہے اس پر حکم نافذ کیا جاتا ہے۔ جبکہ غیر اختیاری چیز پر شریعت کی رو سے کوئی حکم نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بالمقابل خواب کے بیان کرنے کا اور خواب دیکھنے والے سے خواب پوچھنے کا حضور اکرم ﷺ کا معمول رہا ہے، اس لئے خوابوں پر نکیر کرنے کی عادت ترک کرنا ضروری ہے۔

بدعت مذکورہ کے نتائج:- خوابوں پر زبردستی نکیر کرکے اور ان کو غیر شرعی اور بے دلیل بتا کر ان پر زبردستی حکم نافذ کرنے کے نتیجے میں علماء حق پر زبانِ طعن دراز کرنے کی عادت ہوجاتی ہے۔ اور علماء وفقہاء کا استہزاء کرنا وطیرہ بن جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس بدعت کا عامل غیر مقلدیت (آزاد خیالی) کی گمراہی کی ڈھلان پر قدم رکھ دیتا ہے اور یہیں سے انکار حدیث اور انکار احکامات دین کے فتنے بھی شروع ہوجاتے ہیں۔ اس لئے اس قبیح حرکت سے باز آجانا چاہئے۔

سوال:- اللہ تعالیٰ یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوابوں پر نکیر کرنے اور انہیں خلاف شریعت ثابت کرنیکا حکم دیا ہو تو قرآن کریم کی آیت یا صحیح صریح حدیث پیش کیجئے؟

کرامات، قصوں، حکایات وواقعات کی شرعی حیثیت

اہل سنت والجماعت:- جمیع اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اولیاء کی کرامات حق ہیں۔ قصوں، حکایات اور واقعات کی شرعی حیثیت متعین ہے۔

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کا مسلک یہ ہیکہ کرامات، قصے، حکایات وواقعات کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں دین کے علیحدہ علیحدہ شعبے نہیں تھے مثلاً عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق۔ اور یہ شعبے دین پر آسانی سے عمل کے لئے بعد میں مدون کئے گئے۔ عقائد کا باقاعدہ تدوّن علم کلام کے ماہرین نے تیسری صدی ہجری میں کیا۔ عقائد کے

سلسلہ میں بنیادی طور پر صرف دو جماعتوں پر اجماع ہے ۔ایک اشاعرہ اور دوسری ماتریدیہ۔ اشاعرہ وہ حضرات ہیں جو شیخ ابوالحسن اشعریؒ (۲۶۰ تا ۳۲۴ ھجری) کی پیروی کرتے ہیں یہ شافعی تھے۔اور ماتریدیہ وہ حضرات ہیں جو شیخ ابومنصور ماتریدیؒ (متوفی ۳۲۳ ہجری) کی پیروی کرتے ہیں یہ حنفی تھے۔اشاعرہ اور ماتریدیہ کے عقائد تقریباً یکساں ہی ہیں صرف بارہ مسائل کے درمیان اختلاف ہے، جو سب فروعی اور غیر اہم مسائل ہیں، بنیادی کسی مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔عقائد کی تخریج کیلئے زبردست احتیاط کی گئی ہے۔عقائد کے استخراج کے لئے شرط یہ تھی کہ عقائد کا کتاب و سنت کی قطعی دلیلوں سے ثابت ہونا ضروری ہے ۔عقائد در اصل ضروریات دین ہیں۔عقائد کے اِس تدون کے ذریعہ اسلام کو متوازن اور معتدل پیش کیا گیا ہے۔اب ان عقائد میں کمی بیشی تو درکنار اگر کوئی کسی عقیدہ میں غلو اختیار کرے گا یا کسی عقیدہ میں تفریط کا شکار ہوگا تو توازن بگڑ جائے گا اور دین کی اصل روح پر برقرار رہنا ممکن نہیں ہوگا۔جیسے خوارج کا غلو اور مرجئہ کی تفریط۔لیکن آج کل ایک فرقہ نے نئی بدعت ایجاد کی ہے وہ قصوں، حکایات اور واقعات سے نتائج اخذ کرتا ہے اور اُن نتائج سے جو دراصل ''قیاس'' ہے اُس سے عقائد کا استخراج کرتا ہے اور اپنے استخراج شدہ نتیجہ سے قصہ یا حکایت یا واقعہ بیان کرنے والے پر حکم چسپاں کرتا ہے جبکہ قصوں، حکایات اور واقعات کی شرعی حیثیت متعین ہے وہ یہ ہے۔

قصّے، حکایات اور واقعات بیان کرنا ایک فن ہے، جسے ہمیشہ سے انسان میں صفات حسنہ پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ حکایتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس سے مریدین کے دلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔کسی نے دریافت کیا اس کی کوئی دلیل بھی ہے فرمایا ہاں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے ''وَ کُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَانُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ وَجَآءَکَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ'' o ط ترجمہ:اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں (ایک فائدہ تو یہ ہوا) اور ان قصوں

میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچتا ہے جو خود بھی راست اور واقعی ہے۔اور مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے۔(اور اچھے کام کرنے کی) یاددہانی ہے(سورہ ہود آیت نمبر ۱۲۰)۔قرآن کریم میں سورہ یوسف آیت نمبر ۱۱۱ میں ہے **لقد کان فی قصصهم عبرةٌ لِاُولی الالباب** o ط ترجمہ:ان (انبیاء وامم سابقین) کے قصّہ میں سمجھدار لوگوں کے لئے (بڑی) عبرت ہے۔تو معلوم ہوا قصّے، حکایات ، واقعات وغیرہ بلند ہمتی، نصیحت، ترغیب، عبرت کے لئے بیان کئے جاتے ہیں۔اُمّت میں انہی صفات کو پیدا کرنے کیلئے یہ سب قرآن کریم، احادیث اور علماء کی تحریرات میں موجود ہوتے ہیں۔ لوگوں کی عادات بھی کچھ ایسی ہیں کہ بزرگوں کے حالات سے ترغیب زیادہ ہوتی ہیں اس لئے مصلحین کا دستور رہا ہے کہ وہ قصے حکایات اور واقعات ہمیشہ بیان کرتے رہتے ہیں۔اور یہ مستحسن بھی ہے۔ان کی حیثیت ''تاریخ'' کی ہے۔اور تاریخ کا درجہ حدیث کے درجہ سے کہیں کم ہے۔ اس لئے ان کے بیان کرنے کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اسناد بھی بیان کی جائیں۔اور چوں کہ یہ عبرت ونصیحت وترغیب کے لئے بیان کئے جاتے ہیں۔اور ان سے کوئی ''فقہی حکم (فرض، واجب، سنت، حرام، مکروہ وغیرہ)'' مقصود نہیں ہوتا۔اوران کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ یہ انسانی عقل میں آسکیں۔قرآن کریم میں ایسے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جو عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔مثلاً ملکہ سبا کے تخت کے لانے کا واقعہ۔اسی طرح ان میں یہ بھی قید نہیں ہے کہ صرف قرآن یا احادیث سے ہی پیش کئے جائیں۔اور جب شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ان کی دلیل میں قرآن یا احادیث کا مطالبہ کرے۔ان کے ماہرین کہتے ہیں کہ ان کی ''صحت'' کثرتِ نقل سے ثابت ہوتی ہے۔اگر یہ واقعات قرآن کریم سے بیان کئے جائیں یا احادیث سے بیان کئے جائیں تو ان کی تردید کفر ہے اور جب یہ کثرت اور تواتر سے نقل کئے جائیں تو ان کی تردید تاریخ سے اعتماد کو اٹھاتی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''حد ثوا عن بنی اسرائیل و لا حرج'' بیان کرو یہود سے کوئی حرج نہیں (صحیح بخاری ج ا ص ۴۹۱، ترمذی)۔جب ترغیب وترہیب کے واقعات ''یہود'' تک سے روایت کرنے کی اجازت

ہے تو کیا یہ مسلمان ان یہود سے بھی بدتر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ قصے حکایات وواقعات کیلئے سرے سے ''عدالت'' ہی شرط نہیں (ہاں احکام کے دلائل میں عدالت شرط ہے)۔ پھر ایمان والے صالحین کے حکایات و قصے اور واقعات کو خلاف شریعت یا خلاف عقل بتا کر تردید کرنا کیسا ہے؟ اور اگر تردید کرنے پر کوئی دلیل نہیں ہے تو یہ فعل بدعت ہے یا نہیں؟

بدعت مذکورہ کے نتائج:- چوں کہ عوام الناس قصوں، حکایات اور واقعات کی شرعی حیثیت سے واقف نہیں ہوتے اسلئے ان میں زبردستی علّت نکال کر بحث کرنے لگتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان پر احکامات بھی صادر کرتے ہیں۔ اس سے ان میں آزادئ فکر پیدا ہوجاتی ہے، جسے دین میں ایک خطرناک عنصر تسلیم کیا جاتا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آزاد خیال شخص علماء کرام پر زبان طعن دراز کرتا ہے، علماء وفقہاء کا استہزاء کرتا ہے، اس طرح وہ غیر مقلدیت (آزاد خیالی) کی گمراہی کی ڈھلان پر قدم رکھ دیتا ہے۔ اور یہی وہ موڑ ہے جہاں سے انکارِ حدیث اور انکارِ احکاماتِ دین کے فتنے بھی شروع ہوجاتے ہیں۔ انہی اسباب کے پیشِ نظر ہمارے علماء نے عام آدمی کو فضائل ومناقب کی احادیث کے مطالعہ کی اجازت تو دی ہے مگر کُتب احادیث میں احکام والی احادیث کے مطالعہ کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ رسوخ رکھنے والے اہل علم کی سرپرستی میں ہی ہو۔ اور چوں کہ ان قصے واقعات اور احکامات کی ''تردید'' میں شرعی دلائل موجود نہیں ہیں اس لئے ان کی تردید اور ان پر بحث سے روکا ہے۔

سوالات:-

(۱) قصے، حکایات، واقعات صرف قرآن کریم یا احادیث سے ہی پیش کئے جائیں اس کی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کیجئے؟

(۲) ''جو قصے حکایات واقعات عقل میں نہ آتے ہوں انہیں پیش نہ کیا جائے'' اس کی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کیجئے

(۳) کسی قصّہ یا واقعہ یا حکایت کو اللہ تعالیٰ نے یا حضور ﷺ نے خلاف شریعت یا خلاف عقیدہ یا خلاف عقل بتا کر اس کی تردید کا حکم دیا ہو تو قرآن کریم کی آیت یا صحیح صریح حدیث پیش کیجئے۔

تصوف کی شرعی حیثیت

اہل سنت والجماعت:- جمیع اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ تصوف مستحب ہے۔

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ تصوف شرک، حرام، ہندو جوگیوں کا طریقہ ہے۔

جس طرح ظاہری بیماریاں انسان کے اعضاء کو خراب کردیتی ہیں اور ان کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے اسی طرح باطنی بیماریاں اخلاق ذمیمہ مثلاً جھوٹ، غیبت، تکبر، حب جاہ، حب مال، حرص وحسد وغیرہ ہیں جن سے انسان کا قلب یعنی باطن متاثر ہوتا ہے۔ جن سے انسان گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کا قلب بیمار ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرمایا ہے: **یوم لاینفع مال و لا بنون o الا من اتی اللہ بقلبٍ سلیم** (سورۂ شعراً آیت ۸۸، ۸۹) ترجمہ: جس دن مال نہ اولاد نفع دیں گے مگر جو اللہ کے پاس نروگا دل لائے گا۔ نروگا یعنی جس میں کوئی بیماری یا روگ نہ ہو۔ قلب کی اس صفائی کو تصوُّف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر چہ قلب کی صفائی کے بہت سے ذریعے ہیں جنہیں قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ان ذریعوں کو اپنانے کیلئے جو طریقے اور ٹیکنک استعمال کی جاتی ہیں انہیں ''فن تصوف'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چوں کہ یہ ٹیکنک ایک فن ہے فی نفسہ دین نہیں ہے، اس لئے اس فن تصوف یعنی اشغال اور مراقبات وغیرہ کو صفائی قلب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کی حیثیت بطور معالجہ یعنی دوا علاج ہے چنانچہ تصوف کے ماہرین کے اقوال اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں۔

☆ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوھی فرماتے ہیں: ''مقصد جملہ اشغالات ومطلب ومنتھیٰ جملہ مراقبات کا وہ حضور قلب بے کیف ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو نصیب فرمایا ہے۔ نسبت صحابہ کرامؓ یہی حضور تھا۔ (مکاتب رشید ص ۴۵)

☆ حضرت شاہ اسماعیل شہید اپنی کتاب ''ایضاح الحق الصریح'' میں لکھتے ہیں ''صوفیاء کے نفع بخش اشغال کی حیثیت دوا ومعالجہ کی ہے کہ بوقت ضرورت ان سے کام لے اور بعد میں اپنے کام میں مشغول ہو۔'' (ص ۷۸)

☆ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں: ''طریقت وحقیقت کی منزلوں کو طے کرنے کا مقصد تحصیل اخلاص کے سوا کچھ نہیں ہے ..... بے شبہ مقام اخلاص کا حصول اور مرتبۂ رُضا تک وصول ان احوال ومواجید کو طے کرنے کے بعد ہی ہوتا ہے اس لئے ان کی حیثیت مقصود حقیقی کے معاون کی ہے۔'' یہ حقیقت واضح ہوئی کہ مشائخ کے اعمال واشغال صفائی قلب حاصل کرنے کا ذریعہ ووسیلہ ہیں۔ مثلاً اشغال کا مقصود اصلی یہ ہے کہ قلب کا انتشار دور ہو اور خیالات کی یکسوئی حاصل ہو۔ اشغال مختلفہ اسی کے حیل وطرق ہیں۔ یعنی جتنے اشغال ہیں وہ جمع خاطر کیلئے ہیں مقصود بالذات نہیں۔ اسی طرح مراقبات سے تصور ناقص راسخ ہوجاتا ہے۔ غرض فن تصوف علوم عقلیہ میں سے ہے۔ ہر علم وعمل جب کہ اس کو شریعت کے ساتھ موازنہ کیا جائے تین قسم سے خالی نہیں۔ ایک قسم یہ کہ شریعت اس کا اثبات کرے۔ دوسری قسم یہ کہ شریعت اس کی نفی کرے۔ تیسرے یہ کہ شریعت اس کے اثبات ونفی سے ساکت ہو۔ اول کو مدلول شرعی کہیں گے، دوسرے کو مردود شرعی، تیسرے کو نہ مدلول شرعی نہ مردود شرعی بلکہ نظر بقاعدہ کلیہ۔ ایسے علوم کو ماذون شرعی کہیں گے۔ صوفیاء کے علوم وفنون بھی انہیں اقسام پر منقسم ہیں۔ جن کے لئے نصّ شرعی کی حاجت نہیں۔ یعنی یہ فقہی مسائل نہیں ہیں جن میں دلائل وحجت کی ضرورت ہو۔ اور فن تصوف کی کتابیں چاہے وہ ضیاء القلوب ہو یا دوسری کتابیں ان کے لئے شرعی دلائل کا مطالبہ شریعت سے ناواقفی کی بناء پر ہے۔ یہ مطالبہ ایسا ہی ہے کہ کوئی دوا علاج کیلئے اور دوا علاج کی کتابوں کے لئے قرآن وحدیث کا مطالبہ کرے۔

سوال: ظاہری علاج کی طرح تصوف باطنی علاج ہے۔ اگر کوئی شخص فن تصوف کے لئے قرآن یا حدیث سے دلیل کا مطالبہ کرتا ہے تو پہلے بخار یا درد کے علاج کے نسخہ کیلئے قرآن یا حدیث سے دلیل پیش کرے۔ اور اگر ضیاء القلوب یا تصوف کی دیگر کتابوں کی دلیل کے لئے قرآن یا حدیث کا مطالبہ کرتا ہے تو پہلے ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی وغیرہ کتابوں کیلئے قرآن یا حدیث سے دلیل پیش کرے۔

غیر مقلدین کے چند مسائل جو اہلسنت والجماعت کے خلاف ہیں

اہل سنت والجماعت:- جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال حجت ہیں۔

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال حجت نہیں۔

اہل سنت والجماعت:- جمیع اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں (۱) جگہ کا پاک ہونا (۲) کپڑوں کا پاک ہونا (۳) ستر کا چھپا ہونا (۴) وقت، نماز کی شرائط میں سے ہے۔

غیر مقلدین:- (۱) غیر مقلدین کے نزدیک نماز کے لئے جگہ کا پاک ہونا ضروری نہیں (۲) نمازی کے کپڑوں کا پاک ہونا شرط نہیں۔ (۳) نماز میں شرم گاہ ننگی رہے تو نماز صحیح ہے۔

اہل سنت والجماعت:- جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک بغیر وضو کے قرآن پاک کو ہاتھ لگانا جائز نہیں

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کے نزدیک ''جس کا وضو نہ ہو ایسے شخص کو قرآن کریم کا چھونا جائز ہے۔''

اہل سنت والجماعت:- جمیع اہلسنت والجماعت کے نزدیک حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں۔

غیر مقلدین:- غیر مقلدین کے نزدیک حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن کریم پڑھنا جائز ہے۔

غیر مقلدین:- اہلسنت والجماعت کے خلاف، غیر مقلدین کے نزدیک

''صرف ایک میل پر بھی نماز قصر جائز ہے۔''

''عام عورتوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں''

''بغیر وضو سجدۂ تلاوت جائز ہے''۔

''وضو میں بجائے پاؤں دھونے کے مسح فرض ہے۔''

''آدمی بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے۔''

''بعض غیر مقلدین کے نزدیک ''متعہ'' جائز ہے۔''

غیرمقلدین غیرعلماءاورعلماء سے سوالات

غیرمقلدین کاضعیف احادیث پرعمل

جمیع اہل سنت والجماعت کے نزدیک ادلۂ شرعیہ چار ہیں(۱) کتاب اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع (۴) قیاس یا اجتہاد۔جیسی دلیل ہوتی ہے ویسا ہی حکم ہوتا ہے اگر دلیل قطعی الدلالہ ہے تو فرض،اگر دلیل ظنی ہوتو واجب،اگر احادیثِ ضعیفہ ہوں تو سنن زوائد،اور اگر دلائل غیر نبی (اقوال وافعال سلف صالحین) سے ہوتو مستحب وغیرہ۔

اس کے برخلاف غیر مقلدین دعویٰ کرتے ہیں کہ ''ہم صرف صحیح احادیث پر عمل کرتے ہیں۔'' جب کہ ایسا نہیں ہے بے شمار اعمال ایسے ہیں جن کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس اصول حدیث کی رو سے کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔کیونکہ صحیح حدیث کی پانچ شرائط ہیں (۱) متصل (۲) عادل (۳) تام الضبط (۴) غیر شاذ (۵) غیر معلل۔

صرف وضو،اذان اور نماز کے تعلق سے غیر مقلدین کے ہم ایسے معمولات پیش کرتے ہیں جن کی دلیل میں غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے اسکے بعد بھی وہ ان پر عمل کرتے ہیں (یہ سرسری جائزہ ہے اگر بالتفصیل جائزہ لیا جائے تو ان کی تعداد پتہ نہیں کہاں تک پہنچے گی)۔

(۱) کانوں کا مسح اس طرح کہ دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخ میں ڈال کر کانوں کی پیٹھ پر انگوٹھوں سے مسح کرتے ہیں۔

(۲) کانوں کے مسح کے لئے پانی لیتے ہیں۔

(۳) پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرتے ہیں۔

(۴) سوجانے پر نیا وضو کرتے ہیں۔

(۵) قئے ہوجانے پر نیا وضو کرتے ہیں۔

(۶) پیروں کے مسح کے سلسلہ میں پانچوں انگلیاں دائیں اور بائیں ہاتھ کی تر کر کے دونوں پاؤں کے پنجوں سے شروع کر کے ٹخنوں کے اوپر تک کھینچتے ہیں۔

(۷) ان کے نزدیک جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

(۸) انکے نزدیک جرابوں اور جوتیوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

(۹) سر کا مسح جو کہ وضو میں فرض ہے صرف عمامہ پر مسح ان کے نزدیک اس کا قائم مقام ہے۔

(۱۰) میت کا غسل دینے والا خود غسل کرے۔

(۱۱) اذان ٹھہر ٹھہر کر کہتے ہیں اور اقامت جلدی کہتے ہیں۔

(۱۲) شہادت کی دونوں انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخوں میں دے کر اذان کہتے ہیں۔

(۱۳) حی علی الصلوٰہ کہتے وقت دائیں طرف اور حی علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف مڑتے ہیں

(۱۴) فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہتے ہیں۔

(۱۵) تشہد میں انگلی (سبابہ) سے اشارہ کرتے ہیں۔

(۱۶) تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھاتے وقت ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرتے ہیں۔

(۱۷) ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیاں کشادہ اور کھلی رکھتے ہیں۔

(۱۸) سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں۔

(۱۹) عورتوں اور مرد کی نماز میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

(۲۰) ثناء یعنی **سبحا نک اللھم** پڑھتے ہیں۔

(۲۱) مقتدی بلند آواز سے آمین کہتے ہیں۔

(۲۲) امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں۔

(۲۳) نماز میں امام کی قرأت میں آیات کا جواب دیتے ہیں۔

(۲۴) رکوع میں ہاتھوں کی انگلیوں کو گھٹنوں پر کشادہ رکھتے ہیں۔

(۲۵) رکوع میں **سبحا ن ربی العظیم** پڑھتے ہیں۔

(۲۶) سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے سے ملا کر رکھتے ہیں۔

(۲۷) سجدہ میں سبحا ن ربی الا علیٰ پڑھتے ہیں۔

(۲۸) جلسہ میں دعا پڑھتے ہیں۔

(۲۹) جلسۂ استراحت کرتے ہیں۔

(۳۰) فجر کی جماعت میں شامل ہونے کے بعد اگر دو رکعت سنت باقی ہو تو اسے طلوع آفتاب سے قبل ہی پڑھتے ہیں۔

(۳۱) مغرب کی اذان کے بعد جماعت سے پہلے دو رکعت پڑھتے ہیں۔ وغیرہ۔

مذکورہ امور میں غیر مقلدین کے قول وفعل میں تضاد ہے جب کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے "یاایھاالذین آمنو ا لم تقو لو ن ما لا تفعلون کبر مقتاً عند ا للہ ان تقولو امـا لا تـفـعلو ن " ترجمہ:۔اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو خدا کے نزدیک یہ نبات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں (سورہ الصّف، آیت نمبر۲۔۳)۔

اگر غیر مقلدین جانتے بوجھتے ہوئے مذکورہ دعویٰ کرتے ہیں تو لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور اگر انجانے میں دعویٰ کرتے ہیں تو جہالت میں مبتلا ہیں۔ ایسا مسلک کیسے حق پر ہوسکتا ہے جو دھوکہ یا جہالت پر مبنی ہو؟

رابطہ اہلِ سنت والجماعت، الہند

غیر مقلدین غیر علماء اور علماء سے سوالات

غیر مقلدین کے اصول کی حقیقت

غیر مقلدین بڑے طمطراق سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک دلائل صرف دو ہیں قرآن اور صحیح احادیث۔ صرف دعویٰ ہی نہیں کرتے بلکہ اس دعویٰ پر آنے کی دعوت بھی دیتے ہیں لیکن ان کا یہ دعویٰ ہی جھوٹا ہے۔ یہ جھوٹ وہ کیوں کہتے ہیں اس کی صرف دو وجوہات ہوسکتی ہیں یا تو دھوکہ میں مبتلاء ہیں یا دھوکہ دیتے ہیں۔ دھوکہ میں مبتلاء ہوں یا دھوکہ دیتے ہوں لیکن جس فرقہ کی بنیاد دھوکہ پر ہو وہ کیسے برحق ہوسکتا ہے؟ اگر غیر مقلدین حق پر ہیں تو درج ذیل سوالات کے جوابات دیں ورنہ قیامت کی نشانیوں کے مطابق "ضَلّو ا و اَضَلو ا۔۔۔۔یعنی گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ کرتے ہیں" کے مصداق ہوں گے۔

غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ 'فقہ' کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ اس کے بغیر اسلام پر عمل ہی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے، ایمان، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ ذیل میں ان پانچوں ارکان کے سلسلے میں چند سوالات کئے گئے ہیں اگر غیر مقلدین ان کے دلائل نہ پیش کر سکتے تو وہ بغیر دلیل کے عمل کرتے ہیں جو تقلید ہے اور تقلید ان کے نزدیک 'شرک' ہے۔ اگر ان کے پاس دلائل نہیں ہیں تو خود ان کے اصول سے وہ مشرک ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور جس گناہ کو چاہے گا معاف کر دے گا اس لئے غیر مقلدین غیر مقلد رہتے ہوئے اسلام پر عمل ہی نہیں کر سکتے۔

تنبیہ:۔ذیل میں بطورِ دلیل "صریح آیات" یا "صحیح صریح حدیث" کا مطالبہ کیا گیا ہے اسلئے کہ اگر آیت یا حدیث صریح نہ ہو تو قیاس کرنا ہوتا ہے جو غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے اور "صحیح" اسلئے کہ خود غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ہم صرف صحیح احادیث پر عمل کرتے ہیں۔

عقائد

دین کے پانچ شعبوں میں سے پہلا شعبہ عقائد کا ہے۔عقائد دراصل ضروریاتِ دین ہیں۔جمیع اہلِ سنت والجماعت (احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ) کے نزدیک عقائد کی درستگی بہت ضروری ہے اس کے بغیر اعمال ہی قابلِ قبول نہیں ہیں۔عقائد کا تدون علمِ کلام کے ماہرین نے چوتھی صدی ہجری میں کیا ہے۔عقائد کے سلسلہ میں بنیادی طور پر صرف دو جماعتوں پر اجماع ہے، ایک اشاعرہ اور دوسری ماتریدیہ۔اشاعرہ وہ حضرات ہیں جو شیخ ابوالحسن اشعریؒ (۲۶۰ تا ۳۲۴ ہجری) کی تقلید کرتے ہیں جو شافعی تھے اور ماتریدیہ وہ حضرات ہیں جو شیخ ابومنصور ماتریدیؒ (متوفی ۳۲۳ ہجری) کی تقلید کرتے ہیں جو حنفی تھے۔اشاعرہ اور ماتریدیہ کے عقائد تقریباً یکساں ہی ہیں صرف بارہ مسائل کے درمیان اختلاف ہے جو سب فروعی اور غیر اہم مسائل ہیں۔ بنیادی کسی مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔ اہلِ سنت والجماعت کا انہی دو عقائد پر اجماع ہے۔

شعبہ عقائد کی تدوین چوتھے صدی ہجری میں کی گئی اس سے قبل نہیں تھی۔ چونکہ تدوین تقلید ہے جو آپ کے نزدیک شرک ہے اس لئے آپ درج ذیل سوالات کے جوابات دیجئے۔

۱) آپ کے نزدیک عقائد ضروری ہیں یا نہیں؟

۲) اگر ضروری ہیں تو آپ کے عقائد کا نام کیا ہے؟

۳) ایسی کونسی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث جس میں ہو کہ ''عقائد ضروری ہیں''؟

۴) ایسی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث صاف صاف بتلا دیجئے کہ عقائد کتنے امور یا مسائل پر مشتمل ہیں؟ ان کی تعداد کیا ہے؟ وہ قرآن یا حدیث سے متعینہ ہیں یا غیر متعینہ؟

۵) عقائد کی بنیاد ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' یہ پورا کلمہ اکٹھا قرآن کریم کی کون سی آیت میں ہے یا صحاح ستہ کی کون سی صحیح حدیث میں ہے؟

نماز

اسلام کے پانچ ارکان میں سے دوسرا رکن نماز ہے۔غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ان کی نماز کا ہر رکن قرآن یا صحیح حدیث سے مدلل ہے۔جس کی دلیل قرآن کریم یا صحیح حدیث میں نہ ہو اس پر عمل تقلید ہے جو آپ غیر مقلدین کے نزدیک شرک ہے۔ پوری نماز کا جائزہ جانے دی جیئے صرف ایک رکعت نماز کے چند امور کے سلسلہ میں درج ذیل سوالات کے جوابات دیجئے۔

۱) امام تکبیرات بلند آواز سے کہتا ہے۔اور آپ غیر مقلدین مقتدی آہستہ سے کہتے ہیں، اس کی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

۲) امام سورۂ فاتحہ بلند آواز سے پڑھتا ہے۔اور آپ حضرات آہستہ سے پڑھتے ہیں، اس کی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

۳) آپ حضرات نماز میں قیام کی حالت میں ہوتے ہیں تو ہاتھ باندھتے ہیں لیکن قومہ میں (رکوع سے اٹھنے کے بعد) ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں، اس کی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

۴) رکوع میں امام بھی اور آپ حضرات بھی آہستہ سے ''سبحان ربی العظیم'' کہتے ہیں، اس کی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

۵) سجدہ میں امام بھی اور آپ حضرات بھی آہستہ سے ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہتے ہیں، اس کی دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

روزہ

غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ان کا ہر عمل قرآن یا صحیح حدیث سے مدلل ہے۔جس کی دلیل قرآن کریم یا صحیح حدیث میں نہ ہو اس پر عمل تقلید ہے جو آپ غیر مقلدین کے نزدیک شرک ہے۔ اسلئے روزہ سے متعلق درج ذیل سوالات کے جوابات دیجئے۔

۱) روزہ رکھنے کی نیت کرنی چاہئے یا نہیں؟ دلیل (قرآنِ کریم کی صریح آیت یا صحیح حدیث) پیش کریں

۲) اگر نیت کرنا ضروری ہے تو کب؟ رات میں یا صبحِ صادق کے بعد بھی کر سکتے ہیں؟ دلیل میں صحیح صریح حدیث پیش کیجئے۔

۳) اگر نیت ضروری ہے تو اس کی دعا یا الفاظ کیا ہیں؟ دلیل (قرآنِ کریم کی صریح آیت یا صحیح حدیث) پیش کریں۔

۴) نیت کے الفاظ دل میں سوچیں یا جہراً زبان سے کہیں؟ دلیل (قرآنِ کریم کی صریح آیت یا صحیح حدیث) پیش کریں۔

حج

۱) آپ کے نزدیک حج کے لئے ''سعی'' فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو دلیل میں قرآنِ کریم کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

۲) آپ ''سعی'' کس مقام سے شروع کرتے ہیں صفا سے یا مروہ سے؟ جس مقام سے سعی شروع کرتے ہیں اسکی دلیل میں قرآنِ کریم کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

۳) جس نے اپنا حج نہیں کیا کیا وہ حجِ بدل کر سکتا ہے؟ دلیل میں قرآنِ کریم کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

زکوٰۃ

۱) غیر مقلدین کے نزدیک ''بھینس'' مال ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو دلیل میں قرآنِ کریم کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

۲) اونٹ گائے اور بکری وغیرہ مال ہیں ان کی زکوٰۃ احادیث میں منصوص ہیں۔ آپ کے نزدیک اگر ''بھینس'' مال ہے تو اس کی زکوٰۃ کیا ہوگی دلیل میں قرآنِ کریم کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

رابطہ اہلِ سنت والجماعت، الہند

غیر مقلدین غیر علماء اور علماء سے سوالات

غیر مقلدین کا آپس میں تفریق واختلاف

آپ حضرات مختلف فیہ مسائل میں صحابہ کے اختلاف کو اور ائمہ مجتہدین کے اختلاف کو حق و ناحق کا اختلاف کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حق صرف ایک ہی ہے اور اس بات کا بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ مسائل کا یہ اختلاف اس اختلاف کے ضمن میں آتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے امت انتشار، بگاڑ اور فساد میں مبتلاء ہے، نیز امت میں اختلاف ختم کرنے کا صحیح حل یہ ہے کہ امت صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدین کے وہ مسائل جو انہوں نے قرآن وحدیث سے استنباط کئے ہیں ان پر عمل نہ کرتے ہوئے براہ راست قرآن وسنت سے رجوع ہوں یعنی دوسرے الفاظ میں امت کو غیر مقلدیت کی دعوت دیتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غیر مقلدیت سے تمام اختلافات کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور امت ایک مرکز پر آجاتی ہے، اس نظریہ کے حامل بہت سے اہل علم ہوئے ہیں جن میں گذشتہ ادوار میں علامہ ابن حزم اندلسی خاص خصوصیت رکھتے ہیں نیز علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور امام شوکانی بھی اس نظریہ کے ماننے والے ہوئے ہیں اور زمانۂ حال میں شیخ ناصر الدین البانی اس کے زبردست جارح ترجمان اور داعی تھے، کچھ عرصہ قبل ہندوستان میں اس نظریہ کے قائل نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی، مولوی عبدالجلیل صاحب سامرودی، مولوی وحیدالزماں صاحب، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیرہم اسی نظریہ کے علمبردار رہے ہیں اور آج کے فرقہ اہل حدیث کے علماء بھی اسی کے مدعی ہیں مذکورہ تمام غیر مقلدین اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تفریق اور اختلاف سے منع فرمایا ہے اور اس بات کے مدعی بھی ہیں کہ وہ تمام مسائل واحکام میں صرف کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے ہیں چنانچہ جب یہ سب اس بات کے مدعی ہیں تو پھر اس کا کھلا ہوا تقاضہ ہے کہ

کم از کم ان علماء میں تفریق واختلاف نہ ہو، مگر افسوس بھی ہے اور حسرت بھی ہے اس کے باوجود خود انہیں اتحاد و اتفاق کا سراغ نہ مل سکا، چنانچہ ان غیر مقلدین (جو کہ صرف قرآن وسنت کی طرف رجوع کے مدعی ہیں اور جو حق پر ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں) کے چند اختلافی مسائل ملاحظہ ہوں:

☆ علامہ ابن حزم گانے بجانے اور اس کے آلات کو حلال ومباح قرار دیتے ہیں اور البانی حرام کہتے ہیں۔

☆ ایک مجلس میں تین طلاق کے مسئلہ میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور شیخ البانی تینوں اس بات کے قائل ہیں کہ اس صورت میں شوہر رجعت کرسکتا ہے، لیکن علامہ ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ رجعت نہیں کرسکتا۔

☆ امام بخاریؒ کے نزدیک غسل میت کی وجہ سے غسل دینے والے پر غسل نہیں اور صاحب الباریؒ نے ان ہی کی تقلید کی ہے، جبکہ امام شوکانیؒ کے نزدیک غسل واجب ہے، اس کی تقلید نواب صدیق حسن خان صاحب اور مولوی وحید الزماں صاحب نے کی ہے۔

☆ علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ مسِ ذکر کے بعد وضو کرنا مستحب ہے اور البانیؒ کہتے ہیں کہ واجب ہے۔

☆ امام شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خان صاحب اس کے قائل ہیں کہ نماز میں ستر عورت شرط نہیں اور مولوی وحید الزماں صاحب اس کے قائل ہیں کہ ستر عورت نماز میں شرط ہے، بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی۔

☆ علامہ ابن تیمیہؒ شراب کو نجس کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تخلیل سے طاہر نہیں ہوتی اور یہی مذہب ابن قیمؒ کا ہے لیکن امام شوکانیؒ اور نواب صاحب اس کو طاہر کہتے ہیں۔

☆ نواب صاحبؒ فرماتے ہیں مال تجارت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور مولوی عبدالجلیل صاحبؒ کہتے ہیں کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے پہلے قول کے امام شوکانیؒ، داؤد ظاہریؒ اور مولوی وحید الزماں بھی قائل ہیں۔

☆ قلتین کے مسئلہ میں علماء غیر مقلدین کے چھ (۶) مختلف اقوال ہیں۔

☆ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ مقیم ہونے کی حالت میں دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نہیں ہے اور البانیؒ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

☆ علامہ ابن تیمیہؒ نے یوم عرفہ میں غسل کرنے کو رسول اللہ ﷺ سے منقول بتایا ہے تو شیخ البانیؒ نے کہہ دیا کہ یہ بدعت ہے۔

☆ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ فرقہ اہل حدیث کے پیشوا تھے، ان کی مختلف تحریروں مثلاً ''اہل حدیث کا مذہب'' اور ''تفسیر ثنائیہ'' وغیرہ کو آپ حضرات اور آپ کے فرقہ کے دیگر حضرات وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں، مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب (غیر مقلد عالم) نے ثناء اللہ صاحب کی تفسیر (عربی) کو جماعت اہل حدیث کے لئے ایک فتنہ قرار دیا اور کہا کہ ''مرزائی فتنے سے زیادہ فتنہ ہے'' نیز شیخ حسن ابن یوسف الدمشقی مدرس حرم لکھتے ہیں ''مولوی ثناء اللہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح احادیث اور تفاسیر صحابہ کے مخالف ہے اور سلف صالحین اور قرون ثلاثہ کے اجماع کے خلاف ہے۔'' (فیصلہ مکہ، ص ۱۹۔ مرتبہ عبدالعزیز سکریٹری مرکزی اہلحدیث لاہور)

یہ تو یقینی ہے کہ مذکورہ تمام علماء غیر مقلد ہیں، جن کا دعویٰ یہ ہے کہ مسائل میں اس قسم کا اختلاف، حق و ناحق کا اختلاف ہے اور حق دو نہیں ہوسکتا، اس لئے برائے مہربانی درج ذیل سوالات کے جوابات دے کر ہمیں مطمئن کیجئے۔

(۱) مذکورہ مسائل میں حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے؟

(۲) جو علماء (مذکورہ) ناحق مسائل بیان کرتے ہیں، آپ کے نظریہ کے مطابق وہ یقیناً گمراہ ہیں، ایسے (مذکورہ) علماء کی فہرست پیش کیجئے تاکہ عوام ان سے بچ سکیں۔

(۳) ایسے گمراہ علماء کو غیر مقلدیت یا فرقۂ اہلحدیث سے خارج کرنے کے لئے آپ کون سے اقدامات کریں گے؟

(۴) غیر مقلدین علماء میں سے کس کے فتوے پر عمل کیا جائے، جب کہ ہر ایک کا دعویٰ

ہے کہ اس کا فتویٰ قرآن وحدیث کے مطابق ہے؟

(۵) امت میں اتحاد واتفاق پیدا ہوجائے اور وہ ایک مرکز پر آجائے، اس کے لئے غیر مقلدین کے ثنائیہ، غرباء، محمدی، سلفیہ، جماعت المسلمین، اہل اثر، اصحاب الحدیث وغیرہ وغیرہ میں سے کس فرقہ میں شامل ہوجانا چاہئے؟

(۶) غیر مقلدیت پر ہونے کے باوجود بھی اختلاف ختم نہ ہوسکا برائے مہربانی کوئی نیا حل پیش کیجئے۔

رابطہ اہلِ سنت والجماعت، الہند

غیر مقلدین غیر علماء اور علماء سے سوالات

غیر مقلدین کا صحیح بخاری کے خلاف عمل

امت کا اجماع ہے کہ صحیح بخاری سند کے اعتبار سے سب سے صحیح کتاب ہے یعنی صحیح بخاری میں جو روایات منقول ہیں ان کی اسناد صحیح ہیں۔ لیکن صحیح بخاری کی ہر روایت پر عمل کے سلسلے میں اجماع نہیں۔ کیونکہ محدثین نے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جو صحیح بخاری کے موقف کے خلاف ہیں یعنی وہ محدثین صحیح بخاری کی ہر روایت پر عمل کے قائل نہیں ہیں۔ اس کے برخلاف غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ صحیح بخاری عمل کے اعتبار سے بھی سب سے صحیح ہے۔ اس کی ہر روایت پر عمل ضروری ہے۔ اور اس سلسلے میں نہ صرف دوسروں کو دعوت دیتے ہیں بلکہ بحث ومباحثہ بھی کرتے ہیں۔ دراصل وہ صحیح بخاری کی شہرت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین کے قول وفعل میں تضاد ہے۔ ان کے کثیر امور ومسائل صحیح بخاری کے خلاف ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔ غیر مقلدین اپنے قول وفعل کے تضاد کو دور کریں۔

۱) صحیح بخاری ج ا ص ۸۲ پر امام بخاریؒ نے حدیث پیش کی ہے کہ صبح کی نماز کے بعد سورج بلند ہونے تک کوئی نماز نہیں، لیکن آپ حضرات صبح کی سنت چھوٹ جانے پر اسے سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں آپ کا یہ عمل صحیح بخاری کے خلاف کس دلیل سے؟

۲) جمعہ کی پہلی اذان جو حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ سے رائج ہوئی سنت ہے فرمانِ نبوی ﷺ سے، اجماع صحابہ سے اور اجماع امت سے۔ صحیح بخاری باب الاذان یوم الجمعہ ج ا ص ۱۲۷ پر روایت ہے کہ ''حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں جمعہ کی پہلی اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر بیٹھ جاتے۔ جب حضرت عثمانؓ کا دور خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہوگئے تو آپ نے (خطبہ سے پہلے) ایک اور اذان دینے کا حکم

فرمایا۔ یہ اذان ایک اونچی جگہ پر دی جاتی تھی، پھر اس اذان پر مسلسل عمل شروع ہو گیا۔'' لیکن آپ حضرات اس اذان کو بدعت کہتے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک)۔ آپ حضرات کا یہ عمل فرمان نبوی ﷺ، اجماع امت اور صحیح بخاری کے خلاف کیوں ہے؟

۳) اگر عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جائیں تو جمعہ ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن حضور ﷺ کے عمل کے خلاف، اجماع امت کے خلاف آپ لوگوں کے نزدیک اگر عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جائیں تو جمعہ کی نماز معاف ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵ کی روایت کے خلاف آپ کا عمل کیوں ہے؟

۴) عورتوں کی سردار، مزاج شناسِ رسول اللہ ﷺ حضرتِ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ''اگر آج حضور ﷺ ان باتوں کو دیکھتے جو تم نے اختیار کر رکھی ہیں تو عورتوں کو ضرور مسجد جانے سے روک دیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۰) اس کے برخلاف آپ حضرات عورتوں کو نماز کے لئے مسجد میں جانے پر اصرار کرتے ہیں، آپ حضرات کا عمل صحیح بخاری کے خلاف کیوں؟

۵) صحیح بخاری (ج ۱ ص ۲۵۷) پر ہے کہ ''دن چڑھے روزہ کی نیت کرنا'' اس میں امام بخاریؒ نے روایت نقل کی ہے کہ ''حضرت ام درداءؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابودرداءؓ پوچھتے کہ کیا تمھارے پاس کھانا ہے؟ اگر ہم کہتے کہ نہیں تو کہتے کہ میں آج روزہ ہوں''۔ اور ایسا ہی کیا حضرت ابوطلحہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حذیفہؓ نے۔ اس کے برخلاف آپ کا موقف یہ ہے کہ صبح صادق کے بعد روزہ کی نیت نہیں کر سکتے۔ آپ کا یہ موقف صحیح بخاری کے خلاف کیوں؟ نیز روایت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت ابودرداءؓ نے دن میں روزے کی نیت کی تھی اور وہ بھی بلند آواز سے کی تھی۔ جب کہ آپ کے نزدیک جہراً نیت کرنا بدعت ہے آپ کا یہ عمل صحیح بخاری کے خلاف کیوں؟

۶) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۹ پر امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے ''تنعیم سے عمرہ کرنا'' اور اس سلسلے میں عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ اور جابر بن عبداللہؓ کی روایات کو پیش کیا ہے۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مقام تنعیم سے عمرہ کرنا جائز ہے، اس کے برخلاف آپ حضرات کا موقف ہے کہ

مقام تنعیم سے عمرہ کرنا بدعت ہے۔ آپ کا یہ موقف صحیح بخاری کے خلاف کیوں؟

۷) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۸ پر امام بخاریؒ نے ایک روایت پیش کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کثرت سے ''عمرہ'' کرنا مستحب ہے، لیکن آپ لوگوں کے نزدیک کثرت سے عمرہ کرنا بدعت ہے، آپ کا یہ موقف صحیح بخاری کے خلاف کیوں؟

۸) صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۹۱ پر امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے ''**باب من اجاز الطلاق الثلاث** ترجمہ: جس نے تین طلاق کی اجازت دی'' اور اس باب کے تحت احادیث بھی پیش کیں۔ ان احادیث کے مطابق ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں جبکہ آپ حضرات کے نزدیک ایک مجلس کی تین یا اس سے زائد طلاقیں ایک ہی واقع ہوتی ہے۔ آپ حضرات کا عمل صحیح بخاری کے خلاف کیوں ہے؟

۹) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۶ پر ہے ''**باب المصافحه**'' اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت نقل کی ہے کہ مجھ کو حضور ﷺ نے تشہد سکھلایا اور میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کہ درمیان تھا۔ اس کے بعد صحیح بخاری میں ہے ''دونوں ہاتھوں سے پکڑنا'' اور امام بخاریؒ نے کہا کہ حماد بن زید نے ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ لیا اور پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے روایت کو نقل کیا صحیح بخاری میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی روایت ہے اور آپ حضرات صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ لیتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو بدعت کہتے ہیں آپ کا یہ عمل صحیح بخاری کے خلاف کیوں؟

۱۰) امام بخاریؒ کے نزدیک اقوال و اعمالِ سلف حجت ہیں اس سلسلے میں امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں سینکڑوں روایات نقل کی ہیں [درج بالا ۲)، ۴)، ۵) اس کی واضح مثالیں ہیں]۔ اس کے برخلاف آپ حضرات کے نزدیک اقوال و اعمالِ سلف حجت نہیں۔ آپ کا یہ موقف صحیح بخاری کے خلاف کیوں؟